دام میں صیاد آ گیا

جرم وسزا اور سراغرسانی کی سچی کہانیاں

احمد یار خان

Iqbal CyberLibrary
All rights reserved.
©2002-2006

سرخ صندوق

ڈکیتی کی کچھ کہانیاں پہلے سنا چکا ہوں۔ میں نے شاید پہلے کبھی کہا تھا کہ چوری ڈکیٹی نقب زنی کے ساتھ کوئی کہانی وابستہ نہیں ہوتی۔ یہ وارداتیں پیشہ ور مجرم کیا کرتے ہیں۔ آئے اور گھر کا صفایا کر کے چلے گئے۔ کہانی قتل کی واردات کے ساتھ ہوتی ہے۔ پھر بھی ڈکیتی کی کوئی واردات ایسی نکل ہی آتی ہے جس کا بڑا دلچسپ، بعض اوقات جذباتی اور بعض کیسوں میں احمقانہ پس منظر ہوتا ہے۔ ایسی وارداتیں کی یا کرائی جاتی ہیں۔ یہ کہانی جو آپ کو سنانے لگا ہوں ڈکیتی کی ایسی ہی واردات ہے جس کا پس منظر خاصا دلچسپ ہے۔

وہ قصبہ تھا جسکے چاروں طرف ہری بھری کھیتیاں تھیں۔ اس کے مضافاتی دیہات بھی میرے تھانے کے تحت تھے۔ یہ آج کی تہذیب کے دور سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یہ قصبہ دیہاتیوں کے لیے شہر تھا۔ اس میں ایک خاصا بڑا چوبارہ تھا جو قصبے کے باہر کی طرف تھا۔ یہ تھا تو آباد محلے میں لیکن اسکا پچھواڑہ کھیتوں کی طرف تھا یعنی اس کے پیچھے کوئی مکان نہیں تھا۔

یہ مکان ایک ریٹائرڈ صوبیدار کا تھا۔ اس دور کے ریٹائرڈ صوبیداروں اور صوبیدار میجروں کے متعلق آپ کی دلچسپی کے لیے بتادوں کہ ان پڑھ ہوتے تھے یا زیادہ سے زیادہ دو تین جماعتیں پڑھے ہوتے تھے۔ نوجوانی میں سپاہی بھرتی ہوتے تھے۔ جب ہڈیوں اور جوڑوں میں پانی پڑ جاتا تو پنشن پر گھر آجاتے تھے۔ وہ پنشن کو پنسل کہا کرتے تھے۔ ریٹائرڈ کے لفظ سے وہ واقف نہیں ہوتے تھے۔ وہ پنسلی صوبیدار یا صوبیدار میجر کہلاتے تھے۔

پاک فوج کے نائب صوبیدار صوبیدار اور صوبیدار میجر پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ پنشن پر آتے ہیں تو گاؤں والوں کے ساتھ اخلاق اور تمیز سے پیش آتے ہیں۔ انگریزوں کے وقتوں کے صوبیداروں وغیرہ کا انداز کچھ اور ہوتا تھا۔ وہ

گاؤں والوں سے سرداری کا رعب جمانے کی کوشش کرتے رہتے اور اس کوشش میں کارٹونوں جیسی حرکتیں کرتے تھے۔ اپنے گھروں میں تو وہ مارشل لاء لگائے رکھتے تھے۔ ان کی ساری سروس انگریز افسروں کی خوشامدیں کرتے اور اپنے سے نیچے والوں سے خوشامدیں کراتے گزرتی تھی۔ گاؤں میں آکر وہ ہر کسی کو اپنے سے نیچے والا سمجھتے اور توقع رکھتے تھے کہ سب ان کی خوشامدیں کریں۔ گاؤں میں بعض استاد بھی ہوتے تھے۔ وہ ان کی خوشامد پسندی والی رگ اپنی مٹھی میں لیکر انہیں آسمان پر پہنچا دیتے اور مالی اور دیگر فائدے اٹھاتے تھے۔

میرے تھانے میں اسی نسل کا پنسلی صوبیدار یہ رپورٹ لے کر آیا کہ رات اس کے گھر میں نقب لگی ہے اور تمام زیور نکل گیا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا ایک جوان بیٹا اور دو آدمی تھے۔ میں نے جملہ معلومات لے کر کاغذوں کا پیٹ بھرا اور اس سے پوچھا کہ اسے کسی پر شک ہے؟ اس نے کسی پر شک نہ لکھوایا۔

دیکھو جوان!......صوبیدار نے سپاہیوں کے ساتھ بات کرنے کے لہجے میں کہا ''ٹھیک سے تفتیش کرو ڈھیلا مت ہو جاؤ''......اس کی گردن اکڑی ہوئی تھی۔ کہنے لگا......اب موقعہ کا ملاحظہ کرو''۔

''ٹھیک ہے صوبیدار صاحب بہادر''!......میں نے بیوقوف سپاہیوں کی طرح کہا......میں حضور کے ساتھ چلوں گا۔

شاباش!......اس نے کہا......ہم صاحب کو تمہارے واسطے بولے گا۔

اس کے ساتھ جو دو آدمی تھے ان میں سے ایک مسکرا رہا تھا اور دوسرے کے چہرے پر گھبراہٹ سی تھی۔ شاید اسے یہ سوچ آرہی تھی کہ صوبیدار اپنی اکڑفوں سے تھانیدار کی توہین کر رہا ہے۔ صوبیدار کا بیٹا اسے ذرا پرے لے گیا اور اسے کچھ کہنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ بیٹا باپ کو یاد دلا رہا ہے کہ یہ تھانہ ہے اس کی پلٹن کی بارک نہیں۔ میرے لئے یہ شخصیت عجیب وغریب نہیں تھی۔ میں نے اسے بہت

دیکھے تھے۔ یہ شخص اگر اس سے زیادہ توہین آمیز باتیں کرتا تو میں اس سے بھی لطف اٹھاتا۔

اس کا گھر دور نہیں تھا۔ وہاں تک پہنچتے میں نے ان لوگوں سے کچھ اور معلومات حاصل کرلیں۔ ایک کانسٹیبل کو میں نے کھوجی کو موقعہ پر لانے کے لیے پہلے ہی بھیج دیا تھا۔ نقب زنی کی واردات میں کھرے مل جایا کرتے ہیں۔

میں مکان کے پچھواڑے گیا جہاں نقب لگی تھی۔ میں اپنی کہانیوں میں واضح طور پر بیان کرچکا ہوں۔ کہ نقب کس طرح لگائی جاتی تھی۔ یہ ان مکانوں کو لگتی تھی جن کے پچھواڑے دوسرے مکانوں سے ملے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ لوہے کے خاص اوزاروں سے مکان کے پچھواڑے سے اینٹیں نکال کر دیوار میں اتنا شگاف بنالیا جاتا تھا جس سے ایک آدمی لیٹ کر اندر جاسکتا تھا۔ یہ شگاف زمین کے ساتھ بنایا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا کمال یہ تھا کہ اینٹیں ذرا سی بھی آواز پیدا کیے بغیر نکالی جاتی تھیں۔ نقب گرمیوں کے موسم میں لگتی تھی جب لوگ چھتوں یا صحنوں میں سویا کرتے تھے۔ نقب زنی ایک مشکل فن تھا جس میں کسی کسی کو مہارت حاصل تھی۔

آج کل نقب زنی کا رواج نہیں رہا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگ مٹی کے گارے کی بجائے سیمنٹ استعمال کرنے لگے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ پولیس کا تعاون حاصل ہوتا ہے اس لیے نقب لگانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

بوڑھے صوبیدار کی جوان بیوی

میں نے جب اس دیوار میں نقب لگی ہوئی دیکھی تو مجھے صاف محسوس ہوا کہ یہ پیشہ وروں کا کام ہے۔ نقب زنوں نے فن کا نہایت اچھا مظاہرہ کیا تھا۔ مکان کے پچھواڑے جو کھیت تھا اس میں کوئی فصل نہیں تھی۔ بارشوں کا موسم تھا۔ مٹی کچی

تھی اس لیے کھرے بڑے صاف تھے۔ اس سے آگے کھرا اٹھانا اس لیے مشکل تھا کہ باقی کھیتوں میں مکئی اور باجرے کی فصل کھڑی تھی۔ میں نے کھوجی سے کہا کہ وہ ان کھروں کو محفوظ کر کے دیکھے کہ کھرے کہیں اور بھی ملتے ہیں یا نہیں اور کھرے کس طرف گئے ہیں۔

میں دروازے کی طرف سے مکان کے اندر گیا۔ سب سے پہلے میری نظر ایک جوان لڑکی پر پڑی جو صوبیدار کی بیٹی ہو سکتی تھی۔ بڑی اچھی شکل وصورت کی لڑکی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ ایک طرف ہو گئی۔ میں نے اس کے چہرے کو بڑی غور سے دیکھا۔ پھر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ اچھی شکل و صورت والی اور بڑے اچھے قد بت کی لڑکی تھی بلکہ اس لیے کہ اسے دیکھ کر مجھے ایسی تین چار لڑکیاں یاد آ گئی تھیں جنہوں نے اپنے ماں باپ کے گھروں میں نقب زنی اور ڈکیتی کی وارداتیں کروائی تھیں۔ میں شاید آپ کو ایسی دو تین کہانیاں سنا چکا ہوں میں نے تو اس گھر کے ہر فرد کو شک کی نگاہوں سے دیکھنا تھا۔

صوبیدار میرے ساتھ تھا۔ میں نے واردات والے کمرے میں جا کر اس سے پوچھا کہ یہ لڑکی جو باہر کھڑی ہے کیا یہ شادہ شدہ ہے؟

''ہاں ......صوبیدار نے جواب دیا...... بالکل شادی شدہ ہے''۔

''اچھا اچھا''۔ ......میں نے کہا ''یہ اپنے گھر آئی ہوئی ہے۔ اس کا خاوند کیا کام کرتا ہے''؟

''پنسلی صوبیدار ہے'' ......صوبیدار نے اپنے مخصوص اکڑے ہوئے لہجے میں جواب دیا...... ''میں اس کا خاوند ہوں''۔

مجھے بڑی زور سے دھکا لگا۔ میرے لیے یہ عجیب نہیں تھا کہ بوڑھے صوبیدار نے جوان لڑکی کے ساتھ شادی کر رکھی تھی بلکہ اس خیال نے مجھے چونکا دیا کہ ڈکیتی کی واردات کا تعلق اس شادی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

''آپ کی پہلی بیوی؟''

''چار پانچ سال ہوئے فوت ہوگئی ہے''۔......صوبیدار نے جواب دیا۔

نقب والے کمرے میں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہاں دیوار کے پاس گدے اور رضائیاں رکھنے والی بڑی پیٹی تھی۔ اس کے ساتھ چھوٹے بڑے ٹرنک وار سوٹ کیس ایک دوسرے کے اوپر رکھے تھے۔ دو سوٹ کیس الگ پڑے تھے۔ صاف پتا چلتا تھا کہ یہ نقب لگانے والوں نے اٹھا کر نیچے رکھے ہیں۔

''ان دونوں کے نیچے ایک بڑا سوٹ کیس تھا''......صوبیدار نے کہا......''چور وہ لے گئے ہیں''۔

میرے پوچھنے پر اسنے سوٹ کیس کا جو سائز بتایا تھا وہ ایک صندوق کا سائز تھا۔ میں نے یہ نوٹ کیا کہ اس صندوق کا ٹوٹا ہوا تالہ وہاں نہیں تھا۔ اور کسی اور بکس یا سوٹ کیس کا تالہ نہیں توڑا گیا تھا۔ میں نے صوبیدار سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس صندوق کو بڑا مضبوط تالہ لگا ہوا تھا۔ اگر وہ تالہ توڑا جاتا تو یہیں پڑا ہوتا۔

یہ صاف ثبوت تھا کہ چوروں کو معلوم تھا کہ مال اسی صندوق میں ہے۔ وہ آئے اور انہوں نے اس صندوق پر رکھے ہوئے دو اٹیچی کیس اٹھا کر ایک طرف رکھے اور مال والا صندوق اٹھا کر لے گئے۔ یہ صاف اشارہ تھا کہ چوری گھر کے بھیدی نے کرائی ہے۔ گھر کا بھیدی کوئی نوکر ہی ہو سکتا ہے۔ یا گھر کا اپنا آدمی۔ میں نے صوبیدار سے پوچھا کہ گھر میں کوئی نوکر ہے؟

''ہے تو سہی......صوبیدار نے جواب دیا......''لیکن گھر میں اسکا اتنا زیادہ کام نہیں ہوتا کہ وہ زیادہ دیر گھر میں گزارے''۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آپ سمجھ گئے ہیں میں نے اس نوکر کے متعلق کیوں پوچھا ہے''......میں نے صوبیدار سے کہا۔

''ہاں ہاں جوان''!......صوبیدار یکلخت اپنی صوبیداری میں آ گیا۔ کہنے لگا

......''ہم سمجھتے ہیں لیکن تم یاد رکھو ہمارا نوکر چور نہیں ہے''۔

میں پہلے حیران ہوا تھا کہ صوبیدار میں اتنی عقل ہے کہ سمجھ گیا ہے کہ میں نوکر کے متعلق کیوں پوچھ رہا ہوں مجھے شک یہ تھا کہ اس گھر میں اگر کوئی نوکر ہے تو وہی گھر کا بھیدی ہو سکتا ہے۔لیکن صوبیدار کا جواب سن کر میری خوش فہمی دور ہو گئی۔

''صوبیدار صاحب!''......میں نے اسکا بازو پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے کہا......''میں جوان نہیں ہوں۔ میں سب انسپکٹر ہوں۔عمر کے لحاظ سے تو جوان ہوں۔لیکن میں آپ کی پلٹن کا سپاہی نہیں ہوں۔آپ صوبیداری کو تفتیش کے دوران اپنی جیب میں ڈال لیں''۔

''ٹھیک ہے''......اس نے مسکراتے ہوئے فوجی لہجے میں کہا......''ٹھیک ہے جوان!''

دو سوٹ کیس جو نیچے رکھے ہوئے تھے ان پر گرد پڑی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ان پر انگلیوں کے بڑے صاف نشان تھے۔یہ میری مدد کر سکتے تھے۔میں نے پولیس کے قاعدے قانون کے مطابق کاغذی کارروائی کر کے دونوں صندوق متقفل اپنے قبضے میں لے کر اس حکم کے ساتھ تھانے بھیج دیے کہ اے ایس آئی انگلیوں کے نشانات کو فنگر پرنٹ بیورو کو بھجوانے کے لیے محفوظ کر لے۔ یہ ایک خاص طریقہ ہوتا ہے جو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

میں کچھ اور معلومات حاصل کرنے کے لیے صوبیدار کی بیٹھک میں بیٹھ گیا اور اس سے پوچھا کہ اس صندوق میں کیا کچھ تھا۔

''قیمتی کپڑوں کے علاوہ بھر کا سارا زیور اس صندوق میں تھا''......صوبیدار نے کہا۔

کچھ رقم بھی ہوگی؟......میں نے پوچھا۔

''نہیں''......صوبیدار نے جواب دیا......رقم دوسرے سوٹ کیس میں تھی وہ انہوں نے نیچے رکھ دیا تھا۔

صوبیدار صاحب!......میں نے اسے کہا......میں جادوگر نہیں ہوں کہ جادو کے زور سے پتا چلا لوں کہ یہ واردات فلاں آدمی نے کی ہے۔آپ بھی ذرا اہل جل کریں۔میں آپ کو بڑا پکا اشارہ دیتا ہوں کہ آپ کے گھر میں کوئی فرد ہے جس نے چوروں کو یہ بتایا تھا کہ اوپر کے دو سوٹ کیس اٹھانا ان کے نیچے جو صندوق ہے وہ اٹھا کر لے جانا۔چوروں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ لرایک سوٹ کیس کی تلاشی لیں اور صرف زیور یا رقم لے جائیں۔اس واردات میں انہیں نقب لگانے میں ذرا زیادہ وقت لگا ہوگا لیکن زیور والا صندوق اٹھا کر باہر نکلنے میں انہوں نے صرف دو منٹ لگائے ہوں گے۔یہ معلوم کرنا آپ کا کام ہے کہ گھر کا یہ بھید چوروں کو کس نے دیا۔آپ کو جس پر شک ہے اس کا نام لکھوا دیں۔اس سے اقبال جرم کرانا میرا کام ہے۔

میرا نوکر جو دراصل مزارعہ ہے اس قسم کا آدمی نہیں ہو سکتا......صوبیدار نے کہا۔

یہ معلوم کرنا آپ کا کام ہے کہ ہو کون ہو سکتا ہے......میں نے کہا......میں آپ کو یہ بتا دوں کہ جب یہ معلوم کرنے کا ارادہ کر لوں گا کہ گھر بھیدی کون ہے پھر میں آپکی کوئی بات اور شکایت نہیں سنوں گا۔میں آپ کے گھر کے کسی بھی آدمی کو کسی بھی وقت تھانے بلاؤں گا۔

میں نے دیکھا کہ صوبیدار کی صوبیداری ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔اس کا بہت زیادہ نقصان ہوا تھا۔میں نے اس کے نوکر کو بلا کر کانسٹیبلوں کے حوالے کر دیا۔اسے شامل تفتیش کرنا بہت ضروری تھا۔

☆☆☆

لڑکی جو غائب ہوگئی

میں اس کے گھر سے نکلنے ہی لگا تھا کہ کھوجی آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک کانسٹیبل تھا اور ایک آدمی ان کے ساتھ آیا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ کھوجی کھرا اٹھا رہا تھا تو یہ آدمی کہیں سے آ رہا تھا۔ اس آدمی نے جب کھوجی کے ساتھ ایک کانسٹیبل کو دیکھا تو وہ ان کے پاس رک گیا۔ اسے جب پتا چلا کہ یہ لوگ کھرا اٹھا رہے ہیں تو اس نے بتایا کہ اس نے ایک کھڈ میں ایک صندوق پڑا دیکھا ہے۔ وہ آگے جانے کی بجائے اس طرف آ گیا۔ وہ کسی کو اس صندوق کے متعلق بتانا چاہتا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس میں سے قیمتی مال نکل گیا ہے اور چور اسے یہاں پھینک گئے ہیں۔

میں اس اطلاع پر اس آدمی کے ساتھ چل پڑا۔ صوبیدار اور اس کا بیٹا میرے ساتھ تھے۔ نمبردار اور ذیلدار بھی میرے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ شہر سے تقریباً ایک میل دور ایسا علاقہ تھا جس میں چھوٹے بڑے کھڈ تھے۔ میں وہاں گیا۔ وہاں سے کوئی راستہ نہیں گزرتا تھا۔ ایک آدمی نے ذرا دور سے بلند جگہ سے گزرتے اتفاق سے یہ صندوق دیکھ لیا تھا۔ اس آدمی کی رہبری میں میں وہاں پہنچا۔ صوبیدار نے صندوق پہچان لیا۔

صندوق کھلا ہوا تھا۔ سوتی کپڑے کچھ صندوق کے اندر تھے کچھ باہر پڑے تھے۔ صوبیدار نے بتایا کہ اس میں جو ریشمی کپڑے تھے وہ نہیں ہیں۔ زیور بھی غائب تھا۔ میں نے اس کی برآمدگی کے کاغذ تحریر کیے وہ صندوق اٹھوا کر تھانے لے گیا۔

اس قسم کی وارداتیں پیشہ ور لوگ کیا کرتے ہیں اور یہ پیشہ ور لوگ پولیس کے ریکارڈ پر ہوتے ہیں۔ میں نے پہلا انتظام یہ کیا کہ محرر ہیڈ کانسٹیبل سے کہا کہ وہ

سزا یافتہ افراد کو تھانے بلوائے۔ میرے تھانے کے ریکارڈ پر چھ سات نقب زن تھے۔ یہ سبھی ایک ایک دو دو بار کے سزا یافتہ تھے۔ ان کے آنے تک میں نے نوکر کو الگ کر لیا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ٹرنکوں والے کمرے سے اسے کتنی کچھ واقفیت ہے۔ میں نے اس پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ مجھے اس پر شک ہے۔

تم رات کہاں سوئے تھے؟...... میں نے اس سے پوچھا۔

میں اپنے گھر سوتا ہوں...... نوکر نے ایسی آواز میں جواب دیا جو صاف طور پر کانپ رہی تھی اور منہ سے الفاظ نکالنے کی کوشش کرنی پڑتی تھی۔

ڈرتے کیوں ہو یار...... میں نے اسے کہا...... میں تم پر چوری کا الزام نہیں لگا رہا۔ میں نے تمہیں اس لیے اپنے ساتھ رکھا ہے کہ تمہارا صوبیدار بیوقوف آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تم مجھے کچھ سیانے آدمی لگتے ہو۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ جس کمرے میں نقب لگی ہے اس کمرے میں کیا کچھ رکھا ہوا ہے۔ اس کے بیٹے کو بھی پتا نہیں۔ میرا خیال ہ کہ اس کمرے سے کچھ اور بھی گیا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ وہاں ٹرنک اور سوٹ کیس اتنے ہی تھے جتنے میں نے دیکھے ہیں؟

میں اس کمرے میں اتنا کبھی نہیں گیا کہ اچھی طرح دیکھ لوں کہ وہاں کتنے ٹرنک اور سوٹ کیس پڑے ہیں...... نوکر نے کہا...... میں تو یہاں بھینس اور صوبیدار صاحب کی گھوڑی کو چارہ ڈالنے اور پانی پلانے آتا ہوں اور دونوں وقت بھینس کو دوہتا ہوں۔ کمروں کے اندر میرا کوئی کام نہیں ہوتا۔

اس نوکر کی عمر تیس سال سے کچھ زیادہ تھی۔ مجھے اتنا چالاک اور ہوشیار نہیں لگتا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ بہت وقت صرف کیا اس سے اتنی زیادہ باتیں پوچھیں کہ وہ رونے پر آ گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اس طرح بچانے کی کوشش نہیں کر رہا جس طرح مجرم کیا کرتے ہیں۔ میں ضروری نہیں سمجھتا کہ اس سے میں نے جو پوچھ گچھ کی تھی وہ تمام بیان کروں۔ مختصر طور پر آپ کو یہ بتا دیتا

ہوں کہ وہ مجھے گھر کے بھیدی نہیں لگتا تھا۔ میں نے اسے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ میں آہستہ آہستہ اسے دوست بنانے لگا۔

تمہارا صوبیدار تو مجھے بے وقوف آدمی معلوم ہوتا ہے...... میں نے اس سے کہا...... اس عمر میں اس نے اتنی نوجوان لڑکی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ کیا یہ لڑکی اس کے ساتھ خوش رہتی ہو گی؟

میں نے دیکھا کہ وہ کچھ جھجک رہا تھا۔ میں نے باتوں باتوں میں اسے اپنے ساتھ کھول لیا اور اسے کچھ اس قسم کے اشارے بھی دیے کہ صوبیدار اس پر شک کرتا ہے کہ چوری اس نے کروائی ہے۔

کیا اس نے صاف کہا ہے؟...... نوکر نے پوچھا۔

صاف تو نہیں کہا...... میں نے جواب دیا...... میں اس کے اشارے سمجھ گیا تھا۔ میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ کسی غریب آدمی کو مت پھنساؤ۔

میرا یہ تیر ٹھکانے پر لگا۔ نوکر صوبیدار کے خلاف بھڑک اٹھا۔

آپ نے ٹھیک کہا ہے کہ صوبیدار بے وقوف آدمی ہے...... اس نے کہا...... وہ بیوقوف ہی نہیں بے غیرت بھی ہے۔ آپ نے پوچھا ہے کہ یہ لڑکی صوبیدار کے ساتھ خوش رہتی ہے یا نہیں۔ میں آپ کو سچی بات بتاؤں وہ اس کے بیٹے کے ساتھ خوش رہتی ہے۔

تم نے خود دیکھا ہے؟...... میں نے پوچھا۔

میں نے کیا دیکھنا ہے جی!...... اس نے کہا...... یہ تو سارا محلّہ جانتا ہے۔ شک وشبے والی بات ہی کوئی نہیں۔ صوبیدار کے اس بیٹے کی بیوی تیسرا مہینہ ہے اپنے گھر بیٹھی ہے۔ وہ ہر کسی کو کہتی پھر رہی ہے ک اس کے خاوند کی یہ جوان سوتیلی ماں اس کے خاوند کو اس کے قریب آنے ہی نہیں دیتی۔ ان کا تو ہر وقت لڑائی جھگڑا رہتا تھا۔ اس لڑکی اور نئی صوبیدارنی میں کئی بار لڑائی جھگڑا ہوا تھا۔ آخر وہ

لڑکی اپنے میکے چلی گئی اور اس نے کہا ہے کہ وہ طلاق لے گی' اس گھر میں واپس نہیں آئے گی۔

''سارے محلے کو معلوم ہے تو صوبیدار کو بھی معلوم ہو گا؟''......میں نے کہا ......وہ کچھ نہیں کہتا؟

''وہ صرف رعب جھاڑتا ہے''۔......نوکر نے کہا ......''اور ہر وقت اپنی صوبیداری میں مست رہتا ہے۔اس کی بیوی اس پر ایسا جادو چلاتی ہے کہ وہ بول ہی نہیں سکتا۔یہ شخص تو اتنا بے غیرت ہے کہ اس کی جوان بیٹی کسی کے ساتھ نکل گئی اور اس نے پرواہی نہیں کی۔

اس کی یہ بات سن کر میں اس طرح بدکا جیسے اس شخص نے مجھے کوئی سوئی چبھو دی ہو۔ایک ہی بات دو تین سوال میری زبان پر آ گئے ......کیوں؟......کب ؟......کیسے؟......وغیرہ''

''پانچ چھ مہینے ہو گئے ہیں ......اسنے کہا......''وہ کسی کے ساتھ چلی گئی یا کہیں ماری گئی یا معلوم نہیں اسے کیا ہوا۔وہ ایسی غائب ہوئی کہ آج تک اس کا پتہ نہیں چلا۔ نہ باپ نے اسے تلاش کیا نہ بھائی نے کوئی کوشش کی نہ پولیس کو اطلاع دی۔ان لوگوں نے جیسے شکر کیا ہو کہ وہ چلی گئی ہے''۔

''وہ بدمعاش قسم کی لڑکی ہو گی''......میں نے کہا......''ورنہ اس طرح جوان لڑکی چلی جائے تو باپ اور بھائی زمین آسمان ایک کر دیا کرتے ہیں''۔

''نہیں جناب عالی!''......نوکر نے جواب دیا......''وہ ایسی نہیں تھی محلے کا کوئی فرد اس کے خلاف بات نہیں کرے گا''۔

''عمر کتنی تھی اس کی؟''

''یہی کوئی اٹھارہ انیس سال''نوکر نے جواب دیا......''دراصل نئی صوبیدارنی نے اس کا جینا حرام کر رکھا تھا''۔

جب اس نوکر کے منہ سے یہ بات نکلی کہ صوبیدار کی جوان بیٹی کسی کے ساتھ چلی گئی ہے تو مجھے خوشی ہوئی تھی۔ میں اس سے ملتی جلتی وارداتوں کے ملزموں کو پکڑ کر سزا دلا چکا تھا۔ یہ وارداتیں اس قسم کی لڑکیوں نے اپنے گھروں میں کروائی تھیں جو اپنے آشناؤں کے ساتھ کہیں بھاگ گئی تھیں۔ میں سمجھا تھا کہ یہاں بھی وہی کھیل کھیلا گیا ہے لیکن اس نے بتایا کہ اس لڑکی کو گئے ہوئے پانچ چھ مہینے گزر گئے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ لڑکی شریف تھی۔ اگر لڑکی اپنے گھر کو لٹوانا چاہتی تو جانے کے فوراً بعد واردات کروا دیتی۔ اگر لڑکی اپنے باپ کے گھر ڈکیتی کی واردات کرانا چاہتی تھی تو اسے یہ احساس ضرور ہوگا کہ زیور وہاں نہیں ہو گا جہاں چھ مہینے پہلے تھا۔ وہ گھر بھیدی نہیں ہو سکتی تھی۔ بہر حال جیسا نوکر نے مجھے بتایا اور میری عقل اور تجربے نے جو کام کیا اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ واردات اس لڑکی نے نہیں کرائی اور یہ ضروری بھی نہیں تھا کہ واردات گھر کے ہی کسی آدمی نے کراوائی ہو۔ یہ تو لاکھوں میں کوئی ایک کیس اس قسم کا نکل آتا تھا۔

میں اپنے آپ کو نوکر کی باتوں پابند بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ نوکر چاکر مالکوں سے کبھی بھی راضی نہیں رہتے۔ دیہات کے نوکروں کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ انہیں روٹی کپڑے پر رکھا جاتا تھا۔ لیکن نہ وہ روٹی ہوتی تھی اور نہ اس کپڑے میں کپڑے کا تصور ہوتا تھا۔ چونکہ یہ نوکر ایک تھانیدار کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اس لیے وہ تھانیدار کو خوش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر بھی میں نے اس کی بتائی ہوئی دو تین باتیں نوٹ کر لیں۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ نوکر کس قماش اور کس ذہن کا آدمی ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ میرے کام کا آدمی نہیں۔ میں نے اسے بھی یہی تاثر دیا۔ میرے مخبروں نے اب اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھنی تھی۔ میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی تا کہ وہ اپنے آپ کو آزاد سمجھ کر گھومے پھرے۔ میں نے اے ایس آئی سے کہا کہ اس پر

نظر رکھنے کا انتظام کرے۔ اے ایس آئی کو معلوم تھا کہ یہ انتظام کس طرح کیا جاتا ہے۔

جوان سوتیلی ماں‘ جوان سوتیلا بیٹا

ایک آدمی آ گیا جو نقب زنی کے جرم میں ایک بار سزا یافتہ تھا۔ اس کے بعد اس نسل کے پانچ چھ آدمیوں کو بھی آنا تھا۔ جنہیں میں نے بلا رکھا تھا۔ میں نے آپ کو اپنی کہانیوں میں بتایا ہے کہ پیشہ ور مجرموں سے تفتیش کرنے کا ہمارا طریق کچھ اور ہوا کرتا تھا۔ تشدد بھی ہوتا تھا اور سوچ سمجھ کر ان سے سودا بازی بھی کر لی جاتی تھی۔ ان میں سے بعض پارٹیوں کی آپس میں رقابت بھی ہوتی تھی۔ ہم لوگ اس رقابت کو بھی سراغ رسانی میں استعمال کیا کرتے تھے۔ سودا بازی سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ انہیں بخش دیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں تو کوئی بھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ پولیس مجرموں کی پشت پناہی کرتی ہے۔

ان لوگوں سے میں نے جو تفتیش کی اور جس طرح اس میں آپ کی دلچسپی کی کوئی بات نہیں۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ ان لوگوں سے مجھے کوئی سراغ نہ ملا۔ ان سے ذرا سا اشارہ ملا کہ دوسرے علاقے کا ایک پیشہ ور ڈکیت اس شہر میں ایک روز دیکھا گیا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کس کے ساتھ تھا اور کیا کر رہا تھا۔ لیکن یہ لوگ میرے کسی اور سوال کا جواب نہ دے سکے۔ یہ شک وشبہ والی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ وہ کسی کام سے ادھر آیا ہوگا تاہم میں نے یہ بات ذہن میں رکھ لی۔

میں آپ کو یہ کہانی وقت اور دنوں کے مطابق نہیں سنا رہا کہ فلاں دن یا فلاں وقت میں نے کیا کیا تھا۔ مثلاً پیشہ ور مجرموں سے پوچھ گچھ کرتے تین دن گزر گئے۔ اس دوران میں دوسرے لوگوں سے بھی تفتیش کرتا رہا۔ تھانے کے کئی اور کام ہوتے ہیں۔ وہ بھی ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ میں نے اس دوران اپنے

مخبروں سے کہا کہ وہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ دوسرے علاقے کا ڈکیت فیقا یہاں کس کے پاس آیا تھا اور کیوں آیا تھا۔

صوبیدار کے نوکر نے مجھے جو باتیں بتائیں تھیں ان پر میں نے مکمل یقین تو نہیں کیا تھا۔لیکن اچھا خاصا شک پیدا ہو گیا تھا۔ مثلاً بڑھاپے میں جوان لڑکی سے شادی اور جوان بیٹی کا لاپتہ ہو جانا اور گھر میں جوان بیٹے کی موجودگی اور اس بیٹے کی بیوی کا اپنے میکے جا بیٹھنا اچھے خاصے شکوک پیدا کرتا تھا۔ میں نے آپ کو اپنی کہانیوں میں یہ بھی بتایا ہے کہ تھانے کے مخبروں میں معززین بھی شامل ہوتے ہیں جو تھانیداروں کی خوشنودی کی خاطر مخبری کرتے ہیں۔ چونکہ انہیں مخبری کرنی ہوتی ہے اس لیے وہ ہر گھر کے حالات معلوم کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔

اس قسم کے تین چار ''معزز'' مخبروں نے اور دیگر مخبروں نے مجھے صوبیدار کے گھر کی جو باتیں بتائیں وہ مختصراً یوں ہیں کہ صوبیدار بالکل ویسا ہی تھا جیسا میں بیان کر چکا ہوں یعنی احمق اور اپنے اوپر صوبیداری کا خول چڑھا کر رکھنے والا۔ اسے یہ نوجوان بیوی اس طرح مل گئی تھی کہ لڑکی کی ماں سوتیلی تھی اس کی اپنی بھی پہلے خاوند سے اولاد تھی۔اس نے اس لڑکی کو یوں چلتا کیا کہ لڑکی کے باپ کو اپنے اثر میں لے کر راضی کر لیا کہ بیٹی اس بوڑھے صوبیدار کو دے دے۔باپ نے بیٹی دے دی۔

اس لڑکی کے متعلق کسی نے بھی اچھی رپورٹ نہ دی۔اسے مظلوم تو سب نے کہا لیکن اس کا چال چلن صحیح نہیں تھا۔صحیح ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس کی اپنی ماں مر چکی تھی اور باپ سے اسے شفقت نہیں ملتی تھی۔پھر اس پر ظلم یہ ہوا کہ سوتیلی ماں آ گئی جس نے اسے نوکرانی بنا کر رکھا۔لڑکی جوان ہوئی تو پیار اور شفقت کی قیمت اپنی عصمت کی صورت میں دیتی رہی۔اس کا اپنا ہی ایک بھائی تھا لیکن وہ

ذہنی طور پر کچھ ایسا ویسا ہی تھا۔ وہ لڑکی سے چھوٹا تھا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً اٹھارہ سال تھی جب اس کی ماں مری اس وقت اس لڑکے کی عمر گیارہ سال تھی۔ ماں کی موت کے صدمے نے اس میں کوئی دماغی یا ذہنی خرابی پیدا کر دی تھی۔ گاؤں میں اسے سب جھلا کہتے تھے۔ لیکن وہ جھلا یعنی پاگل نہیں تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ کسی کسی وقت اس کی حرکتوں سے پتا چلتا تھا جیسے وہ دماغی لحاظ سے بیکار ہو۔ مثلاً بلاوجہ قہقہے لگانا اور فوراً ہی خاموش ہو کر چہرے پر سنجیدگی پیدا کر لینا۔ میں نے بعد میں اسے دیکھا تھا۔ اس کی ذہانت اور فہم و فراست تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ وہ زیادہ تر صوبیدار کے گھر رہتا تھا۔ ایک ہی اس کی بہن تھی وہ صوبیدار کے گھر آ گئی تھی۔ بہن اس سے بہت پیار کرتی تھی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ مکمل طور پر پاگل نہیں ہوا تھا۔ اگر اسے بہن کا پیار نہ بھی ملتا تو وہ پاگل ہو چکا ہوتا۔

یہ صوبیدار کے بیٹے اور اس کی بیوی کی ناچاقی کا کیا چکر ہے؟

اس کا مجھے ان لوگوں سے یہ جواب ملا کہ شرعی لحاظ سے تو صوبیدار لڑکی کا خاوند تھا۔ لیکن عملاً صوبیدار کا بیٹا اس کا خاوند تھا اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ صوبیدار کے بیٹے اور بہو کی ناچاقی کی یہی وجہ تھی۔ وہ لڑکی کیوں پردہ رکھتی وہ تو ہر کسی کو یہ بتاتی ہے کہ صوبیدار کے گھر یہ بدکاری ہو رہی ہے۔ اس لڑکی کا باپ صوبیدار پر زور دے رہا تھا کہ اس کی بیٹی کو طلاق دے دی جائے اور تمام جہیز مع زیور واپس کر دیا جائے۔ اس لڑکی کا زیور ان لوگوں نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ معلوم ہوا کہ زیور خاصا زیادہ تھا۔ یہ لوگ طلاق نہیں دے رہے تھے۔ اب تو ان کے درمیان باقاعدہ دشمنی پیدا ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ لڑکی کے لواحقین نے صاف الفاظ میں صوبیدار سے کہا تھا کہ اس کے بیٹے اور اس کی بیٹی کے تعلقات ناجائز ہیں۔

صوبیدار چونکہ صوبیدار تھا اور وہ مخصوص قسم کا صوبیدار تھا اس لیے یہ کہنے کی

بجائے وہ دیکھے گا کہ اس کے بیٹے اور بیوی پر شک کیا گیا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے ۔وہ دونالی بندوق نکال لایا اور اس نے سارے محلے کو للکار کر کہا کہ اس کے بیٹے اور بیوی پر جو کوئی اتنا ذلیل الزام لگائے گا بندوق کی دونوں نالیاں اس پر خالی کر دوں گا۔

لڑکی کا باپ اس کے بھائی اور اس کے دو چچے کمزور لوگ نہیں تھے۔ان میں سے کسی کے پاس ایک نالی بندوق تھی۔ وہ بندوق لے کر اور باقی لاٹھیاں کلہاڑیاں لے کر نکل آئے۔محلے کے بزرگوں نے بیچ بچاؤ کرایا ورنہ خون خرابہ ہو جاتا۔اسکے بعد کسی نے ان کا سمجھوتہ کرانے کی کوشش نہ کی۔

''لڑکی کے لواحقین کیسے لوگ ہیں؟''

اس کے جواب میں بتایا گیا کہ وہ کسی سے ڈرنے والے لوگ نہیں۔معلوم نہیں وہ صوبیدار پر جوابی حملہ کیوں نہیں کرتے ۔وہ تو اتنے سخت لوگ ہیں کہ صوبیدار اور اس کے بیٹے کی لاشیں بھی غائب کر دیں۔دو آدمیوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ لڑکی کے باپ نے صوبیدار کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ پندرہ دنوں کے اندر اندر لڑکی کے زیور کی ایک ایک چیز حق مہر کی پوری رقم اور طلاق نامہ بھیج دے ورنہ وہ پچھتائے گا۔ہم اپنا زیور تو وصول کر ہی لیں گے ۔

میں نے یہ معلوم کرلیا کہ یہ پیغام کون لے گیا تھا۔وہ محلے کا ہی ایک آدمی تھا جس کا میل ملاقات دونوں پارٹیوں کے ساتھ تھا۔ میں نے سنا اسی وقت اس آدمی کو بلوالیا۔وہ جلدی آ گیا۔میں نے اس سے اس پیغام کے متعلق پوچھا۔اس نے تسلیم کرلیا کہ وہ اس قسم کا پیغام لے کر صوبیدار کے پاس گیا تھا۔

''یہ کب کی بات ہے؟''

''یہی کوئی پندرہ سولہ دن گزرے ہوں گے''......اس آدمی نے جواب دیا۔

اس جواب سے میرا شک پختہ ہوگیا کہ نقب زنی کی یہ واردات ان لوگوں ہی

نے کرائی ہے۔میرا شک یہ سوچ کر اور پختہ ہوتا تھا کہ صرف زیور چوری ہوا ہے۔اگر ملزم پیشہ ور ہوتے جیسا کہ وہ تھے ہی اور اپنے طور پر ہ واردات کرتے تو دوسرے ٹرنکوں سے رقم بھی لے جاتے۔اس سے مجھے یہ خیال بھی آیا کہ اگر گھر بھیدی کا کام صوبیدار کی بہو نے کیا ہے۔

''ان لوگوں نے تمہیں پیغام دیتے ہوئے کچھ اور باتیں بھی کی ہوں گی؟''

......میں نے اس آدمی سے پوچھا۔

''گالیاں دے رہے تھے''......اس آدمی نے جواب دیا۔

''ذرا اور سوچ کر بتاؤ''......میں نے کہا......''انہوں نے ایسی بات ضرور کی ہو گی کی ان کی بیٹی کا زیور واپس نہ ملا تو وہ کیا کریں گے؟''

''یہ تو میں نے انہیں کہا تھا کہ صوبیدار صاف انکار کر دے گا''۔......اس آدمی نے کہا......''پھر وہ کیا کریں گے؟لڑائی جھگڑے کے سوا اور ہو وہ کیا سکتا ہے۔لڑکی کے باپ نے کہا لڑائی کرنی ہو گی تو ہم کبھی کے کر چکے ہوتے۔ہم ایسی کارروائی کریں گے ک ہم پر کسی کو شک بھی نہیں ہو گا اور صوبیدار یہی سوچ کر پاگل ہوتا رہے گا کہ اس پر یہ وار کون کر گیا ہے؟''

''میں تمہارا بہت مشکور ہوں''میں نے کہا......''تم نے میری بہت مدد کی ہے''۔

''لیکن حضور!''......اس نے کہا......''میرا نام سامنے نہ آئے ۔ یہ لوگ میرے دشمن ہو جائیں گے''۔

''تم فکر نہ کرو......میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا ......تم دیکھ رہے ہو کہ میں تمہارا بیان لکھ نہیں رہا۔میں تمہیں گواہوں میں بھی شامل نہیں کر رہا......ایک بات اور بتاؤ ۔ان لوگوں کا میل ملاپ مجرم قسم کے لوگوں یعنی دس نمبریوں اور بدمعاشوں کے ساتھ بھی ہو گا......میرا خیال ہے کہ تم میری بات سمجھ گئے ہو''۔

ہاں جی!......اس آدمی نے جواب دیا......میں جانتا ہوں کہ آپ نقب زنی کی تفتیش کر رہے ہیں۔ان لوگوں کا تعلق ہر کسی کے ساتھ ہے۔

اس نے مجھے شہر کے تین چار آدمیوں کے نام بتائے کہ وہ زیادہ تر ان کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ میں ان سب کو جانتا ہوں۔ان میں دو دس نمبریے بدمعاش اور باقی جوئے باز اور شرابی کبابی تھے۔ان میں کوئی بھی نقب زنی جیسی واردات کرنے والا نہیں تھا۔ یہ ہوسکتا تھا کہ انہوں نے یہ واردات کرانے کا انتظام کیا ہو۔بہر حال میں نے ان لوگوں کو اپنے ذہن میں شامل تفتیش کر لیا۔اس لڑکی کے لواحقین کو میں ابھی تفتیش میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔اگر میں اس کے بغیر براہ راست ان سے بات کرتا تو وہ سوائے انکار کے کوئی جواب نہ دیتے۔

''فیقا نام کا ایک مشہور ڈکیت ہے''......میں نے کہا......کیا تم اسے جانتے ہو؟''

''نہیں''......اسنے جواب دیا......''اگر میں اسے دیکھوں تو شاید بتا سکوں کہ یہ شخص ان کے ہاں آتا رہا ہے یا نہیں''۔

تمہارا ان لوگوں کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

ان لوگوں کے ساتھ میری دو پار کی رشتے داری ہے......اس نے جواب دیا......صوبیدار کی پہلی بیوی بھی میرے دور کے رشتہ داروں میں سے تھی۔ میں ان دونوں فریقوں سے ملتا ملاتا رہا ہوں۔

صوبیدار کے گھر کے متعلق اس نے ان باتوں کی تصدیق کی جو مجھے پہلے معلوم ہو چکی تھیں۔

کیا صوبیدار کی نوجوان بیوی اس گھر میں خوش ہے؟

''بہت خوش ہے جی''......اسنے جواب دیا......''صوبیدار اس کے ہاتھ میں ہے صوبیدار کا روپیہ پیسہ اس کے ہاتھ میں ہے اور صوبیدار کا بیٹا بھی اس کے

ہاتھ میں ہے۔صوبیدار کا رعب داب گھر سے باہر ہے ۔گھر کے اندر اس کی حیثیت معمولی سے نوکر جتنی بھی نہیں ۔

لڑکی چالاک نہیں تھی

میرا شک اب ان لوگوں پر منتقل ہو گیا۔ یہ تو بالکل واضح تھا کہ نقب انہوں نے نہیں لگائی ۔انہوں نے پیشہ ور لوگوں کو استعمال کیا ہے ۔میرا مسئلہ یہ تھا کہ ان کے خلاف کوئی شہادت حاصل کرنی تھی ۔میں نے اس آدمی کو یہ کہہ کر بھیج دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ اس سلسلے میں کوئی بات نہ کرے ۔

صوبیدار کے گھر کے حالات مجھے ابھی پوری طرح معلوم نہیں ہوئے تھے ۔ مجھے ان کی بیٹی کے متعلق معلوم کرنا تھا جو پانچ چھ مہینے پہلے گھر سے چلی گئی تھی یا لاپتہ ہو گئی تھی ۔یہاں میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں انہیں لوگوں کے پیچھے پڑا رہا۔ میں نے اے ایس آئی کو دوسری طرف لگا رکھا تھا جو پیشہ ور مجرموں سے تفتیش کر رہا تھا۔ میں تو یہ دیکھ رہا تھا کہ واردات کرانے والا گھر ہی کا کوئی فرد نہ ہو۔ میں پیشہ وروں کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔اس قسم کی وارداتوں کی تفتیش میں وقت ضائع کرنا نقصان دہ ہوتا ہے ۔اس لیے میں نے اے ایس آئی کو بھی اسی تفتیش میں لگا دیا تھا۔

صوبیدار کی بیٹی کے متعلق مجھے معززین سے ہی رپورٹ ملی ۔انہوں نے اس لڑکی کو شریف اور مظلوم بتایا ۔میرا خیال تھا کہ وہ ہوشیار اور چالاک لڑکی ہو گی ۔ مجھے بتایا گیا کہ لڑکی سیدھی سادی اور بدھو سی نہیں تھی ۔ محلے میں ہر گھر کے ساتھ اس نے بڑے اچھے مراسم رکھے ہوئے تھے ۔

محلے کی عورتوں کے ساتھ وہ اپنے گھر کے متعلق کیا باتیں کرتی تھی؟

مجھے جواب ملا کہ وہ زیادہ تر اپنی سوتیلی ماں کے برے سلوک کی باتیں کرتی

تھی روتی بھی تھی اور اپنے بھائی کے خلاف خاص طور پر باتیں کرتی تھی۔ اپنے بھائی کی بیوی کو وہ اچھا سمجھتی تھی۔ یہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس کے ساتھ گئی اور کہاں چلی گئی۔

میرے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ میں نئی صوبیدارنی سے بھی پوچھ گچھ کروں۔ میں رات کو ان کے گھر گیا اور صوبیدار کو کہہ کر اس کی بیوی کو اپنے پاس بٹھا لیا۔

تمہاری سوتیلی بیٹی کہاں چلی گئی ہے؟...... میں نے اس سے پوچھا۔

''کچھ پتہ نہیں''...... اس نے جواب دیا۔

''کسی کو چاہتی ہو گی''...... میں نے پوچھا...... ''کوئی بات چھپی تو نہیں رہ سکتی۔ محلے کے کسی آدمی سے ملتی ملاتی ہو گی۔ نہ کبھی دیکھا تھا نہ کبھی سنا تھا''...... اس نے کہا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اچھی لڑکی تھی''...... میں نے کہا۔

''آپ اس کے متعلق اتنی باتیں کیوں پوچھ رہے ہیں؟''...... صوبیدارنی نے مجھ سے پوچھا...... ''اس چوری کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے''؟

''میں یہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں''...... میں نے کہا...... ''ویسے ہی شک تھا کہ وہ جس کے ساتھ گھر سے نکلی ہے اس سے اس نے یہ واردات نہ کرائی ہو''۔

''نہیں''...... اسنے کہا...... ''وہ اتنی چالاک نہیں تھی۔ پھر اسے گئے ہوئے بھی تو پانچ چھ مہینے ہو گئے ہیں...... کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ ہمارے گھر میں کسی دشمن نے ڈاکہ ڈلوایا ہے؟''

''ہاں''...... میں نے کہا...... ''مجھے یہی شک ہے''۔

''اگر ایسی بات ہے تو میں آپ کو بتاتی ہوں''...... اس نے کہا...... میرا پکا شک بہو پر ہے جو دو تین مہینے ہوئے اپنے گھر بیٹھی ہے...... میں صوبیدار کو کئی بار

کہہ چکی ہوں کہ اسے طلاق دو اس کا زیور اور حق مہر اسے دے دو لیکن صوبیدار صاحب نے اپنی عزت بے عزتی کا مسئلہ بنایا ہوا ہے''۔

''اس کی بجائے تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ صلح صفائی کرا کے لڑکی کو گھر لے آئیں؟''...... میں نے کہا...... سیدھا طریقہ تو یہی تھا''۔

''وہ لڑکی یہاں بسنا نہیں چاہتی''...... اس نے کہا۔

''کیوں؟''...... میں نے پوچھا...... ''کیا صوبیدار کے بیٹے کی بجائے کسی اور کو چاہتی ہے؟''

اس نے اس لڑکی کے خلاف بولنا شروع کیا تو صاف پتہ چلتا تھا کہ اپنی کرتوت چھپا رہی ہے اور اسے بدمعاش ثابت کرنا چاہتی ہے۔ میں چونکہ خاموشی سے سن رہا تھا اس لیے اس کی زبان بے قابو ہو گئی۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ یہ اس لڑکی کے خلاف بول رہی ہے تو میں اسے کہوں کہ تم نے اس کے خاوند پر قبضہ کر رکھا ہے۔ ان کے اس قسم ے چال چلن کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں یہ خاص طور پر دیکھا ک یہ نوجوان صوبیدارنی خود چالاک تھی خوبصورت بھی اتنی تھی کہ اس کی چالاکیوں پر پردہ پڑ جاتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ زیادہ تر جھوٹ ہے۔

قصہ ایک بہو کا

اس سے مجھے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ میں نے صوبیدار کو اپنے پاس بلا لیا۔

''کیا آپ اپنی بہو کو گھر نہیں لائیں گے؟''...... میں نے پوچھا۔

اس نے تین چار گالیاں دیں اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے اس کے متعلق کیوں پوچھا ہے۔

کیا آپ نے یہ نہیں سوچا کہ وہ آپ کے دشمن ہیں اور یہ واردات انہوں نے

کرائی ہوگی؟...... میں نے کہا۔

''ہاں ہاں''......صوبیدار نے کہا......''یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے دھمکیاں بھی اسی قسم کی دی تھیں''۔

''ایسی دھمکیاں کیوں دی تھیں؟''میں نے پوچھا۔

اس نے اپنی بیوی کی طرح پہلے تو اس لڑکی کے خلاف زہر اگلا۔ اسے بدمعاش ثابت کرنے کی کوشش کی۔ پھر بتایا کہ وہ لڑکی کا زیور مانگتے ہیں۔

تو آپ ان کا زیور دے کیوں نہیں دیتے؟''

''دیں کہاں سے''......صوبیدار نے جواب دیا......''اپنا سارا زیور وہ اپنے ساتھ لے گئی تھی......دراصل انہیں شکایت ہے کہ ہم ان کی بدکار لڑکی کو بساتے نہیں''۔

اگر میں تھانیدار نہ ہوتا ان کی برادری کا کوئی آدمی ہوتا تو میں اسکے منہ پر تھپڑ اگر نہ مارتا تو یہ ضرور کہتا کہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تمہارے گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ میں نے اسے یہ بھی نہ کہا کہ اپنی بہو کے زیور کے متعلق وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

جناب صوبیدار صاحب......میں نے کہا......مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ کے خاندان میں کون اچھا اور کون برا ہے۔ میں اپنا صرف یہ شک رفع کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے گھر میں یہ واردات آپ کے کسی دشمن نے ہی یا گھر کے کسی فرد نے کرائی ہوگی''۔

''دیکھو جوان!''......اس کی صوبیداری جاگ اٹھی اس نے صوبیداروں جیسے رعب سے کہا......''میرے خاندان میں کوئی چور نہیں ہے۔تم ہمارے ساتھ ٹھیک سے بات کرو''۔

''آپ کی بیٹی کہاں ہے؟''......میں نے اس کی اکڑفوں کو نظرانداز کرتے

ہوئے پوچھا۔

''تم ایسی باتیں کیوں پوچھتے ہو؟''......اس نے کہا ''میری بیٹی کے ساتھ اس واردات کا کیا تعلق ہے؟''

''صوبیدار صاحب!''......میں نے بڑے تحمل اور طنزیہ مسکراہٹ سے کہا ......''میں آپ کی عزت صرف اس لیے کر رہا ہوں کہ آپ عمر میں میرے باپ کے برابر ہیں۔ اگر آپ نے پھر مجھے صوبیداری کا رعب دکھایا تو میں تفتیش بند کر کے رپورٹ اوپر بھیج دوں گا کہ یہ صوبیدار تفتیش میں مدد نہیں کر رہا۔ میرے ساتھ ذرا سوچ سمجھ کر بات کریں ورنہ میرے منہ سے ایسی باتیں نکل جائیں گی کہ آپ منہ چھپاتے پھریں گے......میر ساتھ سیدھی بات کرو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ آپ کو اپنی بہو کے باپ پر شک ہے کہ یہ واردات انہوں نے کرائی ہو گی؟''

''ہاں''......اس نے جواب دیا ''مجھے ان پر شک ہے''۔

''کیا آپ کو اس شخص پر شک نہیں جس کے ساتھ آپ کی بیٹی چلی گئی ہے؟''

نہیں......اس نے جواب دیا......وہ بہت پرانی بات ہے۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کس کے ساتھ چلی گئی ہے؟

میں جب وہاں سے نکلنے لگا تو صوبیدار نے مجھے بازو سے پکڑ کر الگ لے گیا۔

''انسپکٹر صاحب!''......اس نے کہا......''آپ میرے گھر آئے ہیں اس لیے آپ کی عزت کرنا میرا فرض ہے۔ میں بے غیرت آدمی نہیں۔ آپ میرے خاندان کی عورتوں کو اس معاملے میں نہ گھسیٹیں''۔

''صوبیدار صاحب''......میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اور اپنے غصے کو دبا کر کہا......''جو میں جانتا ہوں آپ نہیں جانتے۔ آپ کو یہ بتا دیتا ہوں ک اپنی عزت اور غیرت کو بچا کر رکھنا ہے تو اپنے گھر پر نظر ڈالیں۔ یہ عورت جو

آپ کی بیوی ہے آپ کی عزت سارے شہر کی گلیوں میں گھسیٹے گی ۔ اگر آپ کی ایک درجن بیٹیاں ہوتیں تو وہ سب اس گھر سے بھاگ جاتیں‘‘ ۔

میں صوبیدار کو حیران و پریشان چھوڑ کر اس کی بہو کے دروازے پر جا رکا۔ اس کا گھر دکھانے والے میرے ساتھ تھے ۔ ایک بزرگ صورت آدمی نے دروازہ کھولا ۔ یہ اس لڑکی کا باپ تھا۔ میں وردی میں نہیں تھا۔ لیکن وہ مجھے پہچانتا تھا۔ بیٹھک میں لے جا کر اس نے مجھے بٹھایا اور مجھ سے پوچھا کہ میں کیوں آیا ہوں ۔

صوبیدار صاحب کے ساتھ آپ کی کیا ناراضگی ہے؟...... میں نے پوچھا۔

مجھے آپ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں...... اس نے کہا...... آپ کا میرے غریب خانے پر آنا سر آنکھوں پر لیکن آپ کسی شک کی بناء پر یہاں آئے ہیں ۔آپ نے پوچھا ہے کہ صوبیدار کے ساتھ ہماری کیا ناراضگی ہے ۔ یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ میری بیٹی اس کی بہو ہے ۔ میں اپنی بیٹی کو آپ کے پاس بٹھا دیتا ہوں ۔آپ کے پاس میں نہیں بیٹھوں گا۔ آپ اس سے پوچھ لینا کہ ناراضگی کیا ہے ۔آپ کی عمر بتاتی ہے کہ آپ کی کوئی بیٹی جوان نہیں ہوگی ۔آپ کی کوئی بہن ضرور جوان ہوگی ۔ میری بیٹی کو اپنی بہن سمجھ کر یہ سوچنا کہ ااپ کی بہن کو ان حالات میں رہنا پڑے اور آپ کو پتہ چل جائے تو آپ کیا کریں گے؟

داستان ایک بیٹی کی

دو چار منٹ بعد ایک خوبصورت لڑکی میرے سامنے بیٹھی تھی ۔ یہ صوبیدار کی بہو تھی ۔اس کے باپ نے کہا کہ بیٹی جو تم پر گزری ہے وہ سب انہیں سنا دو ڈرنا نہیں میں اندر جاتا ہوں ۔

لڑکی تو جیسے انتظار میں تھی کہ کوء اس سے پوچھے کہ اس پر کیا گزری تھی ۔ اس

نے زیادہ تر وہی باتیں سنائیں جو میں پہلے سن چکا تھا۔لڑکی کچھ جھجک اور جھینپ کر بول رہی تھی۔ میں نے اس کے ساتھ ہمدردی کی ایک دو باتیں کیں اور اس کے خاوند اور سسر کو برا بھلا کہا اور اس کی مظلومیت کو تسلیم کیا تو وہ بلا جھجک بولنے لگی۔

''کیا آپ میری بات مانیں گے؟''......اس نے اپنی مظلومیت کی داستان سناتے ہوئے کہا......''کہ مرا خاوند اس رات میرے پاس ہوتا تھا جس رات اس کی سوتیلی ماں اسے اجازت دیتی تھی؟ آپ شاید یہ بھی نہیں مانیں گے کہ کئی بار ایسے ہوا کہ دن کے وقت جب یہ بے غیرت صوبیدار گھر پر نہیں ہوتا تھا تو میرا خاوند اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ کمرے میں بند ہو جاتا تھا اور جب وہ باہر نکلتے تھے تو ایسی حرکتیں کرتے تھے کہ میں سمجھ جاؤں کہ وہ میاں بیوی کا کھیل کھیل کر نکلے ہیں۔ میں نے صرف ایک بار اپنے سسر سے شکایت کی تو اس سے مجھے گالیاں ملیں اور میرے خاوند نے میرے منہ پر تھپڑ مارا......

پہلے تو میں برداشت کرتی رہی پھر میں پھٹ پڑی۔اس نئی صوبیدارنی کو میں نے کھری کھری بلکہ ننگی باتیں کہنی شروع کر دیں لیکن اس بے حیا پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔ایک روز میری اور اس کی بک بک ہو رہی تھی صوبیدار گھر پر نہیں تھا۔میرا خاوند بھی باہر نکل گیا تھا۔وہ آ گیا۔اس نے مجھے مارنے کے لیے جوتی اتار لی۔ میں دوڑ کر اندر گئی۔صوبیدار کی دو نالی بندوق جسے وہ دیوار کے ساتھ لٹکا کر رکھتا تھا اتار لی۔میرے ابا کی ایک نالی کی بندوق ہے میں نے کئی بار اس میں کارتوس ڈال کر چلایا تھا۔ میں نے صوبیدار کی پیٹی سے دو کارتوس نکال کر صوبیدار کی بندوق میں ڈالے اور باہر نکلی......

میرا خاوند اور اس کی سوتیلی ماں خوش تھی کہ میں اپنے خاوند سے ڈر کر اندر چھپ گئی ہوں۔باہر آ کر میں نے ان کی طرف بندوق سیدھی کی اور اپنے خاوند کو

للکار کر کہا کہ آ میرے نزدیک اور مجھے ہاتھ لگا کر دیکھ۔ وہ دونوں ایک کمرے میں بھاگ گئے اور اندر سے چٹخنی لگا لی۔ میں بکواس کرتی رہی وہ بالکل نہ بولے۔ میں بندوق اٹھائے اپنے گھر چلی گئی اور بتایا کہ یہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں اور آج میں نے کیا کیا ہے......

میرے دونوں بھائی گھر تھے۔ وہ اٹھے ایک نے میرے ہاتھ سے بندوق لے لی ور دونوں مجھے ساتھ لے کر صوبیدار کے گھر گئے۔ صوبیدارنی کی بہت بے عزتی کی۔ میری ماں بھی آ گئی۔ باقی کسر اس نے پوری کر دی۔ میرا خاوند بار بار کہتا تھا کہ تمہاری بہن مجھ پر بڑے گھٹیا الزام لگاتی ہے۔ میرے بھائیوں اور میری ماں کے جانے کے بعد ان دونوں نے میرے ساتھ کوئی بات نہ کی لیکن اپنی کرتوت سے باز نہ آئے۔ میرے ابا نے صوبیدار کو بتایا کہ اس کے گھر میں یہ حرکتیں ہو رہی ہیں لیکن صوبیدار غصے میں آ گیا......

میں اپنی مرضی سے اپنے گھر میں چلی جاتی تو میرا خاوند کچھ بھی نہ کہتا۔ میں اپنے میکے آٹھ دن رہتی بارہ دن رہتی خاوند مجھے لینے نہ آتا نہ آ کر یہ پوچھتا کہ کب آؤ گی۔ ایک بار تو بات اتنی دور تک پہنچ گئی کہ صوبیدار بندوق لے کر نکل آیا۔ ادھر سے میرا ابا بندوق لے کر نکلا۔ محلے والے درمیان میں آ گئے ورنہ خون بہہ جاتا''۔

اس نے ایسے ہی کچھ اور واقعات سنا کر کہا...... پھر ہمارے لڑائی جھگڑے چلتے رہے۔ ایک روز میں ماں باپ کے گھر گئی اور ان کے سامنے یہی رونا رویا۔ میرے ابا نے کہا کہ ان لوگوں پر لعنت بھیجو۔ میں ان کا بندوبست کر لوں گا۔ تم جاؤ اور اپنا زیور وہاں سے لے آؤ۔ پھر میں اس روز تمہیں سسرال بھیجوں گا جس روز وہ کو دآ کر کہیں گے...... میں وہاں گئی اور صوبیدارنی سے کہا کہ میرا زیور مجھے دے دو اس نے شادی کے فوراً بعد میرا زیور اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ زیور کون سے بکس میں رکھا ہے؟...... میں نے اس خیال یہ پوچھا کہ یہ گھر بھیدی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

''ہاں جی!''...... اسنے جواب دیا ''مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس نے اپنا پہلی صوبیدارنی کا اور میرا زیور ایک صندوق میں اکٹھا رکھا ہوا تھا۔ اور اسے بڑا موٹا تالا لگایا ہوا تھا۔ یہ تو مجھے بھی پتا نہ چل سکا کہ اس نے چابیاں کہاں چھپا کر رکھی ہوئی ہیں...... میں نے اس سے اپنا زیور مانگا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ میں نے اور کچھ بھی نہ کہا اور واپس چلی آئی۔ اس کے بعد میرا ابا ان کے گھر جا کر زیور مانگتا رہا۔ انہوں نے یہ جھوٹ بولا کہ تمہاری لڑکی زیور اپنے ساتھ لے گئی ہے۔ ہم طلاق مانگتے ہیں تو وہ طلاق نہیں دیتے''۔

''تمہارے بھائی بڑے زبردست آدمی معلوم ہوتے ہیں''...... میں نے کہا ......تم اگر انہیں بتاتیں تو وہ ٹرنک ہی اٹھا کر لے آتے''۔

''میں نے انہیں بتایا تھا''...... اسنے کہا۔

''کیا انہوں نے تم سے پوچھا تھا کہ ٹرنک کہاں رکھا ہے؟''

''ہاں جی!''...... اس نے جواب دیا...... انہوں نے پوچھا تھا اور میں نے بتا دیا تھا۔

''وہ بے وقوف لوگ ہیں''...... میں نے اس سے کچھ اور معلوم کرنے کے لیے کہا...... وہی صندوق چور اٹھا کر لے گئے ہیں تمہارا زیور ہضم کرتے کرتے وہ اپنا زیور بھی گنوا بیٹھے ہیں۔ تمہیں یہ تو معلوم ہو گا کہ وہ سرخ رنگ کا صندوق تھا''۔

''ہاں ہاں وہی''...... اس نے کہا...... ''یہ تو مجھے معلوم تھا کہ زیور اسی صندوق میں رکھا تھا''۔

اس لڑکی نے میرا شک اپنے باپ اور بھائیوں کے خلاف پختہ کر دیا۔ اب مجھے ان کے خلاف شہادت کی ضرورت تھی۔ میں نے لڑکی کو اندر بھیج دیا۔ اس کا

باپ آ گیا۔ باپ آیا تو اس کے ساتھ دونوں بھائی بھی آ گئے۔

''آپ نے میری بچی کی داستان سن لی ہے؟'' باپ نے پوچھا۔

''جی ہاں سن لی ہے''...... میں نے کہا...... بیچاری پر بہت ظلم ہوئے ہیں۔ اگر آپ صوبیدار یا اس کے بیٹے کو قتل کر دیں تو میں حیران نہیں ہوں گا۔

''میرے ان بیٹوں نے یہ ارادہ بھی کر لیا تھا''...... اس نے کہا...... ''لیکن میں نے ان پر قابو پا لیا۔ ایسی حرکتیں دیہات میں ہوتی ہیں''۔

میں نے ان کے ساتھ گپ شپ کے انداز میں بہت سی باتیں کیں۔ وہ بھی کچھ نہ کچھ کہتے رہے۔ میں قیافہ شناسی کرتا رہا کہ اس واردات کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہے یا نہیں لیکن کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ میں نے ہوا میں ایک تیر چلایا۔

''چند دن ہوئے فیقا ڈکیت آپ کے ہاں آیا تھا''...... میں نے کہا ''آپ کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟''

''تعلق بس اتنا ہی ہے کہ اس کے گاؤں کے قریب میرے دادا پردادا کی کچھ زمین ہے'' اس نے کہا...... ہم نے وہ زمین بٹائی پر دے رکھی ہے۔ اکثر وہاں آنا جانا رہتا ہے اور اس سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ تھوڑے دن ہوئے وہ ویسے ہی آ گیا تھا''۔

''بڑا زبردست ڈکیت ہے''...... میں نے کہا۔

''**ملک** صاحب!''...... لڑکی کے باپ نے کہا...... ''میرے گھر میں سو بار آئیں سر آنکھوں پر لیکن آپ کا آنا بے معنی نہیں۔ میں آپ سے دگنی عمر کا ہوں۔ مجھے یہ بتائیں کہ آپ دل میں کیا شک لے کر آئے ہیں۔ اور آپ نے فیقے ڈکیت کی کیوں بات کی ہے؟ صاف ظاہر کہ آپ کو کسی نے بتایا ہے کہ فیقا یہاں آیا تھا''۔

''میں بتاتا ہوں ابا جی!''...... اس کے بڑے بیٹے نے کہا...... **ملک** صاحب

کو صوبیدار نے ہمارے پیچھے ڈالا ہے۔ اس نے دیکھ لیا ہوگا کہ فیقا یہاں آیا تھا‘‘۔
میں نے ہنس کر کہا...... ’’کسی سے کوئی بات پوچھنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس پر شک کیا جا رہا ہے لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ فیقے جیسے آدمی آپ کے گھر میں آتے اچھے نہیں لگتے۔ بدنامی ہوتی ہے‘‘۔
اس نے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ کوئی جواب سوچ رہا تھا۔ لیکن میں اٹھ کھڑا ہوا اور ان سے ہاتھ ملا کر باہر نکل آیا۔ میرے ذہن میں یہی ایک خیال اٹکا ہوا تھا کہ یہ واردات انہوں نے ہی کرائی ہے۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ فیقا نقب زن تھا۔

انگلیوں کے نشان

مجھے یاد ہے کہ رات کے گیارہ بج گئے تھے جب میں تھانے پہنچا۔ مجھے یہ خبر سنائی گئی تھی کہ جو کانسٹیبل انگلیوں کے نشان لے کر فنگر پرنٹ بیورو پھلور گیا تھا وہ واپس آ گیا ہے۔ رپورٹ آنے میں اتنے دن نہیں لگا کرتے تھے لیکن مجھے آج یاد نہیں کہ کانسٹیبل کو کیوں اتنے دن وہاں روک لیا گیا تھا۔
میں نے جلدی جلدی لفافہ کھولا۔ لکھا تھا کہ انگلیوں کے یہ نشان محمد رفیق عرف فیقا کے ہیں۔ یہاں میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ سزا یافتہ عادی مجرموں کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے نشان محفوظ کر کے ’’فنگر پرنٹ بیورو‘‘ کو بھیج دیے جاتے تھے جو ان کے ریکارڈ میں رہتے تھے۔ بیورو نے ریکارڈ دیکھ کر رپورٹ دی کہ یہ فیقے کے نشان ہیں۔ ایک اور دلچسپ چیز آپ کو بتاؤں کہ انگلیوں کے نشانات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسے دو انسان نہیں ملیں گے جن کی انگلیوں کے نشان ایک جیسے ہوں۔
میں نے فیقے کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کا نام کئی بار سنا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ میرے پڑوس کے علاقے کا رہنے والا ہے۔ اسے پکڑنے کے لیے مجھے

اسے علاقے کے تھانیدار کی مدد کی ضرورت تھی۔ اے ایس آئی گھر چلا گیا تھا۔ میں نے اسے گھر بلوایا۔ اسے صوبیدار کی بہو کے باپ کا نام پتہ بتایا۔ اے ایس آئی نے کہا کہ وہ انہیں جانتا ہے۔ میں نے اسے کہا کہ لڑکی کے باپ اور دونوں بھائیوں کو تھانے لے آؤ اور باقی رات انہیں تھانے میں بٹھائے رکھو۔ میں صبح ان سے بات کروں گا۔

اب تو ان لوگوں کے خلاف میرا شک یقین میں بدل گیا تھا۔ اس وقت تک مجھے جو معلومات ملی تھیں اور جو کوائف میرے سامنے آئے تھے ان کے مطابق یہی لوگ مجھے مجرم نظر آتے تھے۔ فیقے کا ان کے گھر آنا۔ میرے شک کی تصدیق کرتا تھا۔ سرخ صندوق کی نشاندہی لڑکی نے کی تھی اور واردات فیقے نے کی۔ انہوں نے جو دھمکیاں صوبیدار کو بھیجی تھیں ان میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ پندرہ دن کے اندر اندر زیور واپس کردو انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ زیور تو ہم لے ہی لیں گے۔

اے ایس آئی کو بھیج کر میں اپنے گھر چلا گیا۔ اگلے روز مجھے دوسرے علاقے کے تھانیدار کے پاس جانا تھا تاکہ فیقے کی گرفتاری کا بندوبست کروں۔ پکڑے جانے کی صورت میں سزا تو فیقے کو ہی ملنی تھی۔ اگر ان لوگوں نے اسے اکسایا تھا ک وہ اس گھر میں اس طرح چوری کرے کہ سرخ رنگ کا صندوق اٹھا کر لے جاۓ تو انہیں کوئی سزا نہیں مل سکتی تھی۔ فیقا ہزار چیختا کہ اس نے ان کے کہنے پر نقب زنی کی ہے' نہ وہ بری ہو سکتا تھا نہ ان لوگوں کے خلاف کوئی کیس بنتا تھا۔ انہیں اعانت جرم بھی بھی پکڑا جا سکتا تھا۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ لڑکی کا کوئی بھائی بھی واردات میں فیقے کے ساتھ تھا یا نہیں۔

صبح بہت سویرے میری آنکھ کھلی۔ میں تیار ہو کر تھانے آیا تو لڑکی کا باپ دوڑتا ہوا مجھ تک پہنچا۔

''ملک صاحب!''......اس نے کہا......''وہ بے غیرت تو ہمارا دشمن ہے آپ

کو ہمارے ساتھ کیا دشمنی ہے''۔

''آپ کو تھانے بلا کر مجھے خوشی تو نہیں ہوئی''...... میں نے کہا...... ''تفتیش اندھے کی لاٹھی ہوتی ہے۔ اس کے سامنے جو آتا ہے وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ میں آپ کو گرفتار تو نہیں کیا''۔

''یہ شخص دشمنی بڑھا رہا ہے''۔...... اس نے کہا۔

''کون شخص؟''

''یہ صوبیدار''...... اس نے کہا...... ''اسے معلوم نہیں یہ دشمنی اسے کتنی مہنگی پڑے گی''۔

''آپ بیٹھیں''...... میں نے کہا اور اپنے دفتر چلا گیا۔

مجھے بتایا گیا کہ ایک آدمی مجھ سے ملنے آیا ہے۔ کہتا ہے کہ ایک بڑی ضروری اطلاع لایا ہوں۔ میں نے اسے بلا لیا۔

☆☆☆

پھنسانے آیا تھا

وہ تھا تو دیہاتی لیکن کچھ پڑھا لکھا تھا۔ اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی۔ ذرا شائستہ سا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اسے بٹھایا اور پوچھا کہ وہ کیا خبر لایا ہے۔

''اس شہر میں نقب زنی کی واردات ہوئی ہے''...... اس نے کہا...... ''مجھے کسی نے بتایا تھا۔ یہ شاید سات آٹھ روز پہلے کا واقعہ ہے۔ میں اپنے گاؤں سے کسی گاؤں کو رات کے وقت جا رہا تھا۔ پگڈنڈی کے کنارے دو آدمی سگرٹ پی رہے تھے۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ ان کے پاس ایک صندوق پڑا تھا۔ آج کل آدھی رات کے وقت چاندنی زیادہ ہو جاتی ہے۔ میں نے چاندنی میں ان دونوں میں

سے ایک کو پہچان لیا۔ وہ فیقا ڈاکو تھا۔ آپ اسے جانتے ہوں گے......

''میں تو ان کے پاس اسی طرح رک گیا تھا جس طرح راستے میں ایک مسافر ایک دوسرے کے پاس خیر خیریت پوچھنے اور گپ شپ لگانے کے لیے رک جایا کرتے اور اکٹھے سفر بھی کرتے ہیں۔ میں فیقے کو جانتا تھا۔ اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس نے مجھے جواب دینے کی بجائے کہا تم اپنا راستہ لو' میں جہاں بھی جا رہا ہوں تمہیں اس سے کیا......

''میں نے رکنا مناسب نہ سمجھا۔ اسے کہا کہ میں تو ویسے ہی رک گیا تھا۔ میں اٹھ کر چلا گیا۔ چھ سات دنوں بعد ادھر آیا تو کسی نے بتایا کہ ایک صوبیدار کے گھر نقب لگی ہے۔ اور صرف ایک بڑا سوٹ کیس یا صندوق چوری ہوا ہے۔ یہ پتا بھی چلا کہ کھلا ہوا صندوق ایک جگہ پڑا ملا ہے جس سے ڈاکو زیور نکال کر لے گئے ہیں۔ مجھے جب ہو جگہ بتائی گئی تو مجھے یاد آیا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں میں نے فیقے کو اپنے ایک ساتھی کے ساتھ بیٹھے دیکھا تھا۔ صندوق ان کے پاس پڑا تھا۔ میں اب سمجھا ہوں کہ فیقے نے مجھے اپنے پاس کیوں نہیں بیٹھنے دیا تھا۔ میں آپ کو یہی خبر سنانے آیا ہوں کہ یہ نقب فیقے نے لگائی ہے''۔

''وہ جگہ کون سی ہے جہاں تمہیں فیقا ملا تھا؟''...... میں نے پوچھا۔

اس نے جو جگہ بتائی وہ اس جگہ سے تقریباً ایک میل آگے تھی جہاں سے کھلا ہوا صندوق برآمد ہوا تھا۔

''کیا تم نے وہ صندوق اچھی طرح دیکھا تھا؟''

''بڑی اچھی طرح جناب''......اس نے کہا......''وہ صندوق میرے سامنے آئے تو میں اسے پہچان لوں گا''۔

میں اسے وہیں بیٹھا چھوڑ کر باہر نکلا۔ ایک تو تھانے میں وہ صندوق تھا جو کھلا ہوا برآمد ہوا تھا۔ میں نے کانسٹیبلوں کے دو صندوق جو اصل صندوق سے مختلف

تھے۔ایک ساتھ رکھ دیے اوراس شخص کو بلا کر پوچھا کہ ان تینوں میں سے اس نے کون سا صندوق دیکھا تھا۔

اس نے تینوں صندوقوں پر نظریں دوڑائیں اور ایک صندوق پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ تھا......اس نے کالے رنگ کے ایک صندوق پر ہاتھ رکھا جو نہ صرف یہ کہ سرخ نہیں تھا بلکہ ساخت اور سائز میں اصل صندوق سے بہت مختلف تھا۔ میں نے اسے نہ بتایا کہ اس نے غلط صندوق پر ہاتھ رکھا ہے۔

''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟''

اس نے دوسرے تھانے کے علاقے کے ایک گاؤں کا نام بتایا۔ مجھے اس پر کچھ شک سا ہوا۔ اس نے دو اہم باتیں غلط بتائی تھیں۔

''یہاں تم کس کے پاس آئے تھے؟''......میں نے پوچھا......''تمہیں اس واردات کے متعلق کس نے بتایا تھا؟''

''اپنا ایک دوست ہے''......اس نے جواب دیا......''میں آپ کو یہی بتانا چاہتا تھا کہ یہ واردات فیقے نے کی ہے۔آگے آپ کی مرضی''۔

''اپنے دوست کا نام اور پتہ بتاؤ''......میں نے کہا۔

میں نے اس کے چہرے پر گھبراہٹ کا بڑا صاف تاثر دیکھا۔یہ شخص مجھے کسی جرائم پیشہ گروہ کا آدمی لگتا تھا۔کبھی کبھی ایسے ہوتا تھا کہ کہیں ڈکیتی وغیرہ جیسی واردات ہوگئی تو مجرموں نے اس آدمی جیسا اپنا ایک آدمی بھیج دیا جس نے تھانے میں کسی اور ڈاکو کا نام لے کر کہا کہ یہ واردات اس نے کی ہے، یعنی پولیس کو گمراہ کیا گیا یا اپنے مخالف گروہ کو پھنسانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔

میں نے اس پر ایک دو سوال اور کیے تو وہ اور زیادہ گھبرا گیا۔سوچنے والی بات یہ بھی تھی کہ وہ پولیس کا اتنا ہمدرد اور مخلص شہری کہاں سے آ گیا تھا۔

''اب مجھے سیدھی سیدھی بات بتاؤ''......میں نے اس سے پوچھا......''تم

کس کے آدمی ہو؟''

اس نے میرے اس سوال کوٹالنے کی بھونڈی سی کوشش کی۔

''میں پوچھ رہا ہوں کہ تم کون سے ڈکیت کے آدمی ہو''...... میں نے کہا ...... ''اور فیقے کے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے؟''

''نہیں جناب!''...... اس نے کہا...... ''میں کسی ڈکیت کا آدمی نہیں نہ میں خود مجرم ہوں۔ میں تو اپنا فرض ادا کرنے آیا تھا۔ اگر آپ کو اچھا نہیں لگا تو آپ کی مرضی میں جاتا ہوں''...... وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہ میرے دوست!''...... میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دبایا اور کرسی پر بٹھا لیا۔ میں نے کہا...... ''تم تو ہمارے اپنے آدمی ہو۔ میں تمہیں اتنی جلد ی جانے نہیں دوں گا''۔

وہ بیٹھ تو گیا لیکن اس کا رنگ لاش کی طرح ہو گیا۔ یہ تو اتفاق کی بات ہے کہ مجھے تھوڑی ہی دیر پہلے پتہ چل گیا تھا کہ انگلیوں کے نشان فیقے کے ہیں۔ یہ بڑا اپکا ثبوت تھا کہ یہ واردات اس نے کی ہے لیکن یہ آدمی کسی اور مجرم گروہ کا لگتا تھا۔ اس سے میں اس کے گروہ کے راز لے سکتا تھا۔ اس طرح بعض پرانی چوریاں برآمد کی جاسکتی تھیں۔ یعنی ایسی چوریاں جن کا سراغ لگانے میں پولیس ناکام رہی تھی۔

''تم نے میرے سوال کا جواب ابھی تک نہیں دیا''...... میں نے کہا...... آج دن حوالات میں آرام کرو۔ رات کو تمہارے ساتھ باتیں ہوں گی''۔

وہ اس طرح بلبلا اٹھا جیسے میں نے اسے بڑے گہرے پانی میں دھکا دے دیا ہو اور وہ تیرنا نہ جانتا ہو۔ ذرا اور دباؤ ڈالنے سے وہ بول پڑا۔

''جناب عالی!''...... اس نے کہا...... ''میں کسی ڈاکو کا آدمی نہیں ہوں۔ میں ایک بڑے امیر زمیندار کا ملازم ہوں''۔

''کون ہے وہ؟''

''چوہدری محمد اقبال''......اس نے بتایا......''اس نے مجھے کہا تھا کہ میں آپ کے پاس جاؤں اور یہ بات آپ کو بتاؤں جو میں آپ کو بتا چکا ہوں''۔

''کیا اس نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ مسروقہ صندوق کا رنگ سرخ ہے؟''......میں نے پوچھا......''اس نے تمہیں شاید صندوق کی بناوٹ اور سائز بھی نہیں بتایا تھا اور اس نے تمہیں یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ مسروقہ صندوق کس جگہ سے برآمد ہوا تھا''۔

''نہ جی!''......اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا......''اس نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ میں نے آپ کے آگے بیان کر دیا ہے''۔

''اب یہ بتاؤ کہ تمہارے چوہدری کا اس واردات کے ساتھ اور رفیقے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟''

''تھانیدار صاحب!''......اس نے جواب دیا''مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ آپ کو بتا دیتا ہوں لیکن میرا کیا بنے گا؟ میں اس کا ملازم ہوں۔آپ جانتے ہیں کہ جاگیردار اور زمیندار اپنے نوکروں کو کیسی کیسی سزائیں دیتے ہیں''......اس نے ہاتھ جوڑ دیے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔کہنے لگا......''میرے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں۔کیا آپ ان پر رحم نہیں کریں گے؟''

''کیوں نہیں کروں گا''......میں نے اسے سچے دل سے کہا......''میں سب سے پہلے تمہاری حفاظت کا انتظام کروں گا۔تم مجھے ہر ایک بات بتاؤ''۔

اس شخص کا ڈر بے معنی نہیں تھا۔اس سطح کے زمیندار اور جاگیردار اپنے مزارعوں اور نوکروں کو اپنا زرخرید غلام سمجھا کرتے تھے۔پاکستان میں اب بھی یہی حالت ہے۔ان کا کوئی نوکر یا مزارعہ اپنے مالک کا راز فاش کر دے تو اس کی سزا موت سے کم نہیں ہوتی۔اسے قتل کرا کے لاش غائب کر دی جاتی ہے۔اور کسی

کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ میں نے بہر حال اس شخص سے وعدہ کیا کہ میں اسے بچانے کی پوری کوشش کروں گا۔

''مجھے زیادہ باتوں کا علم نہیں''...... اس نے کہا...... ''مجھے یہ معلوم ہے کہ نقب زنی کی اس واردات سے پہلے فیقا ڈاکو دو تین دفعہ ہمارے چوہدری کے پاس آیا تھا''۔

''شراب کباب کی محفل لگی ہو گی؟''

''نہ جی!''...... اس نے کہا...... ''ہمارے چوہدری صاحب میں اس قسم کا کوئی عیب نہیں۔ ان کے ہاں کبھی کوئی طوائف نہیں آئی۔ میں نے کبھی کسی کو وہاں تاش تک کھیلتے نہیں دیکھا''۔

''پھر تو وہ بڑا فضول چوہدری ہے''...... میں نے ہنستے ہوئے کہا...... ''پھر فیقے کے ساتھ اس کی کیا یاری ہے؟''

اس شخص کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی جس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ کوئی خاص بات کہنا چاہتا ہے لیکن زبان پر لانے سے ڈرتا ہے۔

''گھبراؤ نہیں میرے دوست!''...... میں نے دوستانہ انداز میں کہا ...... ''میں تمہیں کہہ چکا ہوں کہ چوہدری تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا''۔

''جناب!''...... اس نے لمبا سانس لے کر کہا...... ''میں پورے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ نقب زنی کی یہ واردات فیقے نے ہمارے چوہدری کے کہنے پر کی ہے''۔

''کیا یہ چوہدری کا پیشہ ہے؟''...... میں نے پوچھا...... ''یا کوئی اور وجہ ہے؟...... تم نے سوچا تو ہو گا''۔

''میں حیران ہوں تھانیدار صاحب!''...... میں نے پوچھا...... ''چوہدری صاحب ایسے آدمی نہیں۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے۔ جو وجہ میرے دماغ

میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ چھ مہینے ہوئے آپ کے اس شہر کی ایک لڑکی چوہدری صاحب کے پیچھے نکل گئی تھی اور چوہدری صاحب نے اس کے ساتھ شادی کر لی تھی''۔

''کیا تم جانتے ہو وہ کس کی بیٹی ہے؟''

''نہ صاحب بہادر!''...... اس نے جواب دیا...... ''مجھے معلوم نہیں۔ مجھے اتنا ہی معلوم ہے کہ دو آدمی یہاں آئے تھے۔ لڑکی کو معلوم تھا۔ وہ آ گئی۔ یہ آدمی اس کے لیے گھوڑی لائے تھے''۔

''کیا ان دو آدمیوں میں فیقا بھی تھا؟''

''نہیں''...... اس نے جواب دیا...... ''فیقے کے ساتھ ان کا پہلے کوئی تعلق نہیں تھا نہ وہ کبھی ان کے پاس آیا تھا۔ یہ تو اب کی بات ہے کہ وہ آیا اور مجھے کسی نے بتایا کہ یہ بہت بڑا ڈاکو ہے اور اس کا نام فیقا ہے۔ میں حیران تھا کہ چوہدری صاحب کا ایک ڈاکو کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے''۔

اگر تمہیں پتہ ہے کہ فیقے نے نقب زنی کی واردات کی ہے تو اس کے بعد بھی فیقا چوہدری کے پاس گیا ہو گا''۔

''نہ جی!''...... اس نے جواب دیا...... ''میں ہر وقت چوہدری صاحب کے ساتھ رہتا ہوں کیونکہ میرا کام ہی ایسا ہے۔ میں نے اس کے بعد فیقے کو نہیں دیکھا''۔

''تمہاری بات ابھی تک سچی معلوم ہوتی ہے''...... میں نے کہا...... ''تم کچھ سیانے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ خود ہی سوچو کہ چوہدری نے خود ہی فیقے سے واردات کرائی اور تمہارے ذریعے خود ہی اس کی نشاندہی کر رہا ہے...... یہ کیا چکر ہے؟''

''یہ کوئی چکر ہی ہے تھانیدار صاحب!''...... اس نے کہا...... ''یہ تو آپ ہی

معلوم کر سکتے ہیں''۔

اس شخص نے یہ انکشاف کر کے کہ اس کے چوہدری اقبال نے میرے قصبے سے لڑکی نکلوائی تھی۔ مجھے یہ یقین دلانا شروع کر دیا کہ یہ اسی ریٹائرڈ صوبیدار کی بیٹی ہے جو چھ مہینے پہلے لاپتہ ہو گئی تھی۔ چوہدری محمد اقبال کا گاؤں ساتھ والے تھانے کے علاقے میں تھا جو میرے قصبے سے دس بارہ میل دور تھا۔ فیقے کا علاقہ بھی وہی تھا۔ مجھے اب یہ فیصلہ کرنا تھا کہ پہلے چوہدری اقبال کے پاس جاؤں یا فیقے کو پکڑوں۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے باہر صوبیدار کی بہو اور باپ اور بھائیوں کو بٹھا رکھا ہے۔ میں باہر نکلا اور اس کے باپ کو بلایا۔

''نواب پور کے چوہدری اقبال کو آپ جانتے ہیں؟''...... میں نے اس سے پوچھا۔

''نہیں''...... اس نے جواب دیا...... ''میں نے آج پہلی بار اس کا نام سن رہا ہوں''۔

''میری ایک بات غور سے سن لیں''...... میں نے اسے کہا...... ''اب آپ میرے کسی بھی سوال کا جواب دیں تو سوچ سمجھ کر دیں۔ میرا خیال ہے کہ جس طرح آپ فیقے کو جانتے ہیں اسی طرح آپ چوہدری اقبال کو بھی جانتے ہیں''۔

آپ ہمیں کیوں پریشان کرتے ہیں؟

''محترم''...... میں نے کہا...... ''یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔ میں خود پریشان ہو رہا ہوں۔ میں نے آپ پر کرم کیا تھا کہ آپ کی بیٹی کو اپنی بہن سمجھ کر آپ کے گھر چلا گیا تھا۔ میں اسے تھانے بلا سکتا تھا''۔

''میں آپ کا بہت مشکور ہوں جناب''!...... اس نے کہا...... ''لیکن یہ بھی سوچیں کہ ہم رات کے یہاں آئے بیٹھے ہیں''۔

''آپ کچھ دیر اور بیٹھیں''...... میں نے کہا...... ''اپنے بیٹوں سے صلاح

مشورہ کرلیں''۔

میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مجھے شک یہ تھا کہ چوہدری اقبال کے ساتھ یہ بھی شامل ہے۔

☆☆☆

ایک ڈاکو دو بیویاں

میں اسی دن ساتھ والے علاقے کے تھانے میں چلا گیا۔ وہاں ایک ہندو سب انسپکٹر تیرتھ رام ایس ایچ او تھا۔ دوسرے تھانے کے علاقے سے کسی ملزم کو پکڑنا یا وہاں جا کر تفتیش کرنا پولیس کے ایک خاص دفتری طریقہ کار کے تحت ہوتا ہے۔ آپ کو اس طریقے اور ان دفتری کارروائیوں کے ساتھ دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ تھانیدار ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا کرتے تھے۔ میں نے وہاں جا کر تیرتھ رام سے کہا کہ فیقے ڈکیت کو پکڑنا ہے۔ تیرتھ رام کو اس کے ٹھکانے کا علم تھا۔ فیقا اس اونچی ذات کا ڈاکو نہیں تھا کہ اس نے اپنی حفاظت کا انتظام کر رکھا ہوتا۔ تیرتھ رام اسی وقت اس کے ٹھکانے پر چھاپہ مارنے کے لیے تیار ہو گیا۔

مجھے امید نہیں تھی کہ فیقا آسانی سے ہاتھ آ جائے گا لیکن خدا نے ایسا کرم کیا کہ فیقا گھر پر ہی مل گیا۔ بڑے تیز بخار نے اسے پہلے ہی گرفتار کر رکھا تھا۔ دو تھانیداروں کو دیکھ کر اسے پریشان تو ہونا ہی تھا۔

''فیقے دوست!''...... میں نے اس سے کہا...... ''سرخ صندوق تو مل گیا ہے اس میں جو مال تھا وہ بھی دے دو''۔

اس نے پس و پیش کی جو اسے کرنی ہی تھی۔ آدمی استاد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہمارے پاس کوئی شہادت نہیں ہے۔

''فیقے!''...... میں نے کہا...... ''تمہاری انگلیوں کے نشان شہادت دے

رہے ہیں۔میرے پاس کچھ اور شہادت بھی ہے''۔

''پھر مجھے گرفتار کرلو''......اس نے کہا......''اور عدالت میں میرا جرم ثابت کرو''۔

''تمہارا جرم ثابت ہے فیقے''......تیرتھ رام نے کہا......''مال برآمد کرا دو مجھے جانتے ہونا!''

وہ اتنا کچا نہیں تھا۔صاف انکار کر رہا تھا۔میں نے تیرتھ رام سے کہا کہ خانہ تلاشی لو۔وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ہم جب صحن میں گئے تو وہاں دو عورتیں تھیں۔ایک ادھیڑ عمر اور دوسر جوانی کے آخری دور میں تھی۔ایک کو میں نے پکڑ لیا اور تیرتھ رام کو اشارہ کیا کہ وہ دوسری کو پکڑ کر پرے لے جائے۔معلوم ہوا کہ یہ دونوں اس کی بیویاں ہیں۔

سچ بولو گی تو فائدے میں رہو گی......میں نے اس عورت سے کہا جو میرے قبضے میں تھی......سات آٹھ دن گزرے فیقا بہت سا زیور اور کپڑے لایا تھا۔وہ خود ہی بتا دو کہاں رکھے ہیں۔نہیں بتاؤ گی تو ہم خود برآمد کرلیں گے اور تمہیں گرفتار کر کے ساتھ لے جائیں گے''۔

ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ وہ فوراً ہی بتا دیتی۔مجھے چونکہ یقین تھا کہ مجرم فیقا ہی ہے اور وہ چوری کا مال یہیں لایا ہوگا۔اس لیے میں نے اس عورت پر ذرا سا تشدد کرنا جائز سمجھا۔میں نے اس کی گردن کے پیچھے ہاتھ رکھا اور زور سے آگے کو دھکا دے کر بلند آواز سے کہا......اسے ہتھکڑی لگا لو اور تھانے لے چلو''۔

اسے دراصل ہتھکڑی نہیں لگانی چاہیے۔اسے صرف ڈرانا تھا۔وہ اوندھے منہ گر پڑی تھی۔دو کانسٹیبل دوڑے آئے۔انہوں نے بڑی بے رحمی سے اسے اٹھایا اور باہر کی طرف گھسیٹنے لگے۔فیقا بھی اٹھ کر آ گیا۔

''ملک صاحب!''......فیقے نے اٹھ کر کہا......''یہ بات ٹھیک نہیں''۔

''اتار دو کپڑے ان دونوں عورتوں کے''......ایک کمرے کے دروازے سے تیرتھ رام کی آواز آئی۔ اس نے فیقے کو ایسی گالی دی جو کسی ڈکشنری میں نہیں ملتی اور کہا...... ''بکواس کرتا ہے کہ یہ بات ٹھیک نہیں...... دیکھ میں تیری اس ماں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں''۔

تیرتھ رام کے قبضے میں جوان عورت تھی۔ اس نے اس عورت کا گریبان پکڑ لیا اور اسے گھسیٹ کر کمرے کی طرف لے جانے لگا۔ اس عورت نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا اور دروازے میں بیٹھ گئی۔ تیرتھ رام نے دو کانسٹیبلوں کو آواز دی۔ فیقا دوڑا آیا اور اس نے تیرتھ رام کا بازو پکڑ لیا۔ دوسری عورت کو دو کانسٹیبل گھسیٹتے ہوئے باہر لے جا رہے تھے۔ فیقا منت سماجت پر آ گیا۔

''ان عورتوں کو چھوڑ دو''......اس نے کہا۔

دونوں عورتوں کو جوں ہی چھوڑا گیا۔ ان کی زبانیں چل پڑیں۔ دونوں مل کر فیقے کو گالیاں دے رہی تھیں۔ ان کے ہونٹوں سے جھاگ اڑ رہی تھی۔ دونوں مل کر اسے گالیاں دے رہی تھیں جو الگ الگ کرنی بڑی مشکل تھیں۔ مجھے ادھیڑ عمر عورت کی ایک بات یاد رہ گئی ہے۔ اس نے فیقے کے بالکل سامنے جا کر اور ہاتھ اس کے منہ پر دے کر بڑی غصیلی آواز میں کہا...... بلا اپنی ماں کے ان خصموں کو جن کے ساتھ جا کر تو ڈاکے ڈالتا ہے اور وہ اپنا حصہ وصول کر کے گھروں میں جا بیٹھتے ہیں''۔

فیقے نے اس کو ایک ہی سانس میں تین چار گالیاں دے ڈالیں۔ میں فیقے کے پیچھے کھڑا تھا۔ میں نے پیچھے سے فیقے کی گردن پر پوری طاقت سے تھپڑ مارا۔ اس کی بیوی اس کے سامنے دو تین قدم دور کھڑی تھی۔ فیقا اس کے ساتھ ٹکرایا۔ اس عورت نے اس کے سر پر دو ہتڑ مارنے شروع کر دیے۔ فیقا پہلے ہی بخار سے مر رہا تھا۔ وہ منظر بڑا ہی دلچسپ تھا۔

مختصر یہ کہ پولیس بھی اس کے خلاف تھی اور اس کی بیویاں بھی اس کے خلاف ہو گئیں۔ وہ ایسا پھنسا کہ اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اسنے بتایا کہ مسروقہ زیور ایک کوٹھری کے کونے میں دبا رکھا ہے۔ جس کی اس نے نشاندہی کی۔ تیرتھ رام گھر سے باہر نکل گیا۔ باہر تماشائیوں کا ہجوم کھڑا۔ نمبردار دروازے میں کھڑا تھا۔ تیرتھ رام دو آدمیوں کو اپنے ساتھ اندر لے آیا۔ مسروقہ مال کی برآمدگی ان گواہوں کے سامنے کرائی تھی جنہیں مشیر کہا جاتا ہے۔

فیقے نے گواہوں کے سامنے کوٹھری کے کونے میں رکھی ہوئی مٹی ہٹا کر ہاتھ سے مٹی ہٹائی اور ایک پوٹلی نکال دی۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں زیور تھا۔

''کیا زیور اتنا ہی تھا؟''...... میں نے پوچھا۔

''نہیں''......اس نے جواب دیا...... ''میرا ساتھی اپنا حصہ لے گیا ہے''۔

''وہ کہاں ہے؟''...... میں نے پوچھا...... ''اور وہ کون ہے؟''

''ملک صاحب!''......اس نے طنزیہ سی مسکراہٹ سے کہا...... ''میری ہڈیاں توڑ دو۔ اپنے ساتھیوں کو دھوکہ نہیں دوں گا''۔

میں خاموش رہا۔

اس نے ایک سوٹ کیس سے مسروقہ ریشمی کپڑے بھی نکال دیے۔ میں نے مشیر نامہ تیار کیا۔ اس پر فیقے کے اور گواہوں کے انگوٹھے لگوائے۔ ہم اسے تھانے لے گئے۔

☆☆☆

سرخ صندوق کیسے نکلا

تھانے گئے

''دیکھ فیقے!''.......میں نے اسے کہا......''اپنے ساتھی کی نشاندہی کر دے''۔

تیرتھ رام نے اسے دوستانہ لہجے میں کہا کہ وہ اپنے آپ کو اتنی بڑی مصیبت میں نہ ڈالے جو اس کی برداشت سے باہر ہے۔

بہت دیر جھک جھک کرکے اور اسے کچھ لالچ دے کر ہم نے منوالیا۔ مجھے رات وہیں رہنا پڑا۔ تیرتھ رام نے رات کو اسے شراب پلا دی اور کھانا بھی نہایت اچھا کھلایا۔ تیرتھ رام ہندو تھا۔ اس نے مسلمان کانسٹیبلوں سے میرے لیے اور میرے ساتھ جو دو کانسٹیبل تھے۔ ان کے لیے دو مرغیاں پکوائیں۔ بکرے کا بھنا ہوا گوشت الگ تھا۔ یہی کھانا فیقے کو کھلایا گیا۔

کھانے کے بعد ہم نے فیقے کو اپنے پاس بٹھالیا۔ اس نے اپنے ساتھی کا نام اور گاؤں بتا دیا۔ ہم نے اے ایس آئی سے کہا کہ وہ اس شخص کو گرفتار کرکے لے آئے فیقا پیشہ ور تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بازی ہار جانے کی صورت میں کیا کرنا ہے۔ اس نے سودا بازی شروع کردی۔ ہم اس کی ہر بات مانتے چلے گئے۔ مجھے کرنا تو وہی تھا جو قانون کے مطابق کیا جانا تھا۔ اسے خوش کرنے کے لیے ہم اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔

''چوہدری اقبال کے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے''؟.......میں نے پوچھا۔

''کوئی دشمنی نہیں''.......اس نے جواب دیا اور پوچھا......''یہ بات آپ نے کیوں پوچھی ہے؟''

''ملک بھائی ؟''.......تیرتھ رام نے مجھ سے پوچھا......''چوہدری اقبال کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟''

میں نے اس کے پاؤں کو پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ وہ میرا اشارہ سمجھ گیا۔ پھر اس نے چوہدری اقبال کے متعلق کچھ نہ پوچھا۔

''ہاں فیقے!''...... میں نے پوچھا...... ''واردات کر کے تم نے چوہدری اقبال کو شکل بھی نہ دکھائی؟''

''میری نشاندہی اسی نے تو نہیں کی؟''...... فیقے نے پوچھا۔

''تمہارے سوالوں کا جواب بعد میں دوں گا''...... میں نے کہا...... مجھے یہ بتاؤ کہ چوہدری اقبل کا اس واردات کے ساتھ کیا تعلق ہے''۔

''یہ واردات اسی نے کروائی تھی''...... فیقے نے کہا۔

''کیوں؟''...... میں نے پوچھا...... ''صوبیدار کے ساتھ چوہدری اقبال کی کوئی دشمنی ہے؟''

''یہ تو مجھ کو معلوم نہیں''...... اس نے جواب دیا۔

میں نے تیرتھ رام کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر حیرت کا بڑا گہرا تاثر تھا۔

فیقے نے بتایا کہ چوہدری اقبال نے اسے کہا تھا کہ اس قبضے کے فلاں محلے میں ایک ریٹائرڈ صوبیدار رہتا ہے۔ اس نے فیقے کو صوبیدار کا نام بھی بتایا تھا۔ چوہدری اقبال نے فیقے سے کہا تھا کہ وہاں ایک بکس اٹھا کر لانا ہے جس میں بہت سا زیور پڑا ہے۔ چوہدری اقبال نے اسے یہ کہا کہ وہ اس میں سے زیور کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھے گا۔ باقی سب اسے دے دے گا۔ چوہدری اقبال نے اسے مکان کا نقشہ بھی سمجھایا تھا اور بتایا تھا کہ وہ بکس کہاں رکھا ہے وار یہ بھی کہ اس بکس کا رنگ سرخ ہے۔

فیقا میرے قصبے میں گیا اور اس نے کسی ایسے آدمی سے صوبیدار کے گھر کا پتہ معلوم کیا تھا جو فیقے کو نہیں جانتا تھا۔ فیقے نے مکان کے پچھواڑے جا کر دور سے دیکھا تھا۔ وہ چونکہ نقب زنی کا ماہر تھا اس لیے اس نے بھانپ لیا کہ وہ کمرہ باہر کی

طرف ہے لہٰذا نقب موزوں طریقہ ہے۔

میں نے صوبیدار کی بہو کے باپ کا نام لے کر اس سے پوچھا کہ وہ ان کے گھر کیوں گیا تھا۔

ان کے ساتھ میری بڑی اچھی جان پہچان ہے...... فیقے نے جواب دیا...... میں دراصل صوبیدار کا مکان دیکھنے گیا تھا۔ میں ان کے گھر چلا گیا۔ یہ میں نے اس لیے کیا تھا کہ کوئی مجھے پہچان لے اور یہ سوچے کہ میں کیا کر رہا ہوں تو یں یہ ظاہر کروں گا کہ میں ان لوگوں سے ملنے آیا ہوں۔ ان ک کچھ زمین میرے گاؤں کے قریب ہے۔ وہیں ان سے سلام دعا شروع ہوئی تھی''۔

''اس واردات کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہے؟''

''نہیں''...... فیقے نے جواب دیا...... ''جس کا تعلق تھا میں نے بتا دیا ہے''۔

''کیا تم نے زیور کا وہ حصہ چوہدری اقبال سے مانگا تھا' اسے دے دیا ہے؟''

''نہیں''...... اس نے جواب دیا۔

''اتنے دن کیوں نہیں دیا؟''

''احتیاط کی خاطر''...... اس نے جواب دیا...... ''میں چاہتا تھا کہ کچھ دن اور گزر جائیں اور تفتیش ختم ہو جائے یا ڈھیلی پڑ جائے''۔

وہ بڑے اطمینان سے باتیں کر رہا تھا جیسے نہ وہ مجرم ہو نہ ہم تھانیدار۔ ہم نے اسے اقبال جرم کے لیے کہا وہ فوراً مان گیا۔ اس نے جو اقبالی بیان دیا وہ سنانا ضروری نہیں۔ اتنی سی بات تھی ک اسنے اپنے ایک ساتھی کو ساتھ لیا نقب لگائی اور سرخ صندوق اٹھا کر لے آیا۔ راستے میں انہوں نے صندوق کا تالا توڑا اور سارا زیور اور کپڑے نکال کر لے آئے۔

☆☆☆

لڑکی ایک جادو بن گئی

فیقے کو ہم نے حوالات میں بند کر دیا۔ تیرتھ رام نے مجھے بٹھا لیا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ چوہدری اقبال کا اس واردات کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

تعلق جو بھی ہے...... میں نے کہا...... ہمیں اس سے کیا! ملزم کا کہنا ہے کہ اسے فلاں نے کہا تھا کہ یہ واردات کرو' قانون کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ تم جانتے ہو۔ ویسے یہ کہانی لگتی دلچسپ ہے''۔

کہانی کو کاٹھ مارو **ملک** بھائی!...... تیرتھ رام نے کہا...... چوہدری اقبال میرا یار ہے۔ وہ ایسا آدمی نہیں۔ فیقا جھوٹ بول رہا ہے۔ یہ کسی دشمنی کی وجہ سے چوہدری کو پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ ایک ڈاکو اس پر یہ الزام عائد کر رہا ہے''۔

تیرتھ رام کا تو چوہدری اقبال دوست تھا اس لیے وہ اسے خبردار کرنا چاہتا تھا میں تو اسے جانتا ہی نہیں تھا۔ مجھے بھی اس کے پاس جانا تھا۔ میرے جانے کا مقصد یہ تھا کہ فیقے کے خلاف کیس تیار کرنے میں مدد مل سکتی تھی یا کوئی نئی بات سامنے آ سکتی تھی۔

سورج غروب ہوئے ایک گھنٹہ گزر گیا تھا۔ تھانے سے چوہدری اقبال کا گاؤں ڈیڑھ میل دور تھا۔ ہم دونوں گھوڑوں پر وہاں گئے۔ چوہدری اقبال سو گیا تھا۔ اسے ایک نوکر نے جگایا تو وہ گھبراہٹ کے عالم میں باہر آیا۔ دو تھانیداروں کا رات کو اس کے گھر جانا بلاوجہ نہیں تھا۔ اس کی زبان ہکلا رہی تھی تیرتھ رام نے میرا تعارف کرایا تو اس کی گھبراہٹ بڑھ گئی۔

وہ ہمیں بیٹھنے والے کمرے میں لے گیا اور ہم سے پوچھا کہ ہم اس وقت کیوں آئے ہیں؟

''چوہدری صاحب''...... تیرتھ رام نے کہا...... ''آپ اتنا زیادہ ڈر کیوں

رہے ہیں؟ آپ کے منہ سے تو کوئی بات بھی نہیں نکل رہی''۔

''نہیں نہیں''......وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولا...... ''آپ اس وقت آئے ہیں ......''

تیرتھ!...... میں نے کہا......اگر چوہدری صاحب تمہارے دوست ہیں تو انہیں زیادہ پریشان نہ کرو۔ بتادو''۔

''فیقے ڈکیت کے ساتھ آپ کا کیا تعلق ہے؟''......تیرتھ رام نے اس سے پوچھا۔

''اس کے ساتھ آپ کی دوستی ہے یا دشمنی؟''......میں نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں''......اس نے جواب دیا۔

''چوہدری صاحب!''......میں نے کہا......''آپ میرے قصبے کے ایک ریٹائرڈ صوبیدار کے گھر نقب لگوائی ہے۔ ہم نے فیقے کو پکڑ لیا ہ اور اس کا اقبالی بیان لے لیا ہے۔آپ نے فیقے کو پکڑوانے کے لیے بڑا کچا آدمی میرے پاس بھیجا تھا۔اسے آپ نے صندوق کا رنگ نہیں بتایا۔صندوق کا سائز نہیں بتایا''۔

وہ خاموش رہا

''مجھے سمجھ نہیں آئی''......میں نے کہا......''فیقے سے آپ نے واردات کرائی اور خود ہی اسے پکڑوانے کی کوشش کی۔ یہ معاملہ کیا ہے؟

اس کی زبان تو جیسے بند ہوگئی تھی۔

''ہم آپ کو گرفتار کرنے نہیں آئے''......تیرتھ رام نے کہا......''میں دوستی کا حق ادا کروں گا''۔

''آپ کو گرفتار کیا بھی نہیں جا سکتا''......میں نے کہا......''فیقا ثابت نہیں کر سکتا کہ اسے واردات کرنے کے لیے آپ نے کہا تھا۔ہم اس لیے آپ کے پاس آئے ہیں کہ آپ سے اصل معاملہ معلوم کرلیں۔ تیرتھ رام نے مجھے بتایا ہے کہ

آپ اس کے دوست ہیں۔ یہ آپ کو محفوظ کرنا چاہتا ہے''۔

ہم دونوں نے آہستہ آہستہ اس کا خوف دور کیا اور اسے حوصلہ دیا کہ وہ ہمیں اصل بات بتائے۔ وہ اتنا ڈر گیا تھا کہ اس نے بات شروع کی تو اسے پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون سا واقعہ پہلے سنائے۔ ایک بات شروع کر کے اسے وہیں رہنے دیتا اور دوسری بات شروع کر دیتا۔ اس سے مجھے شک ہوتا تھا کہ معاملہ سنگین ہے۔ چوہدری اقبال خوبصورت آدمی تھا۔ اس زمانے کے معیار کے مطابق اس کا جسم بہت اچھا تھا۔ دیکھنے کو جی چاہتا تھا لیکن اس سے ایسی حرکت سرزد ہو گئی تھی کہ وہ کمزور اور بیکار سا آدمی لگتا تھا۔

اس نے جو قصہ سنایا وہ میں اپنے الفاظ میں سنا دیتا ہوں۔ سب سے پہلے اس نے یہ بتایا کہ یہ واردات اسی نے کرائی ہے۔ انسان پر جب حماقت کا دورہ پڑتا ہے تو اسی قسم کی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں اس واردات کا پس منظر یہ تھا کہ چوہدری اقبال کے پاس دونالی بندوق تھی۔ مہینے میں ایک دو بار وہ شکار کھیلنے جایا کرتا تھا۔ میرے تھانے والے قصبے سے کچھ دور جھیلوں کی طرح تالاب تھے۔ ان میں مرغابیاں بہت ہوتی تھیں۔ اس علاقے میں دوسرے پرندوں کی بھی بہتات تھی۔

میرے قصبے کے ساتھ ہی ایک برساتی نالہ تھا۔ جس میں برسات میں طغیانی آتی رہتی تھی اور خشک موسم میں بہت تھوڑا اور صاف پانی بہتا تھا۔ کسی کسی جگہ پانی اکٹھا ہو جاتا تھا۔ چوہدری اقبال ایک بار شکار پر جانے میرے قصبے کے قریب سے گزرا۔ وہ گھوڑے پر جایا کرتا تھا اور اکیلا ہوتا تھا۔ ایک روز ادھر سے گزرا تو ایک گھاٹی جو نالے میں اترتی تھی، وہ اترا تو ایک طرف پانی جمع تھا۔ تین چار نوجوان لڑکیاں اس پانی میں پتھر مار رہی تھیں اور ہنس کھیل رہی تھیں۔

ان میں سے ایک لڑکی جس کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی، وہ گھاٹی کی طرف

دوڑتی آرہی تھی۔ اوپر چڑھنے لگی تو اچانک گھوڑا اس کے سامنے آ گیا۔ وہ ایک طرف ہوئی لیکن جلدی اور گھبراہٹ میں اس کا پاؤں پھسل گیا اور گر پڑی۔ یہ اوٹ تھی۔ دوسری لڑکیاں ادھر نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ چوہدری اقبال گھوڑے سے کود آیا۔ لڑکی اٹھ رہی تھی پھر بھی اس نے لڑکی کی بغل میں ہاتھ رکھ کر اسے اٹھایا اور اس سے پوچھا کہ اسے چوٹ تو نہیں آئی؟ لڑکی جواب دینے کی بجائے پرے ہٹ گئی اور چوہدری اقبال کو دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ تھی۔ چوہدری اقبال کو یہ لڑکی اتنی اچھی لگی جیسے اس کے دل میں اتر گئی ہو۔ وہ تو جیسے اس لڑکی میں گم ہو گیا تھا۔ شاید لڑکی پر بھی ایسی ہی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ چوہدری اقبال تیس بتیس سال عمر کا خوبرو اور تندرست جوان تھا۔

''کچھ اور نہ سمجھ لینا''...... اس نے لڑکی سے کہا...... ''میرے دل میں ذرا سی بھی بد نیتی نہیں۔ میں نے تمہیں ہاتھ لگایا تھا۔ میں نے اچھا نہیں کیا''...... لڑکی چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی...... ''مسلمان ہو یا......''

''مسلمان!''...... جیسے لڑکی کے منہ سے نکل گیا ہو۔

چوہدری اقبال نے ہمیں سنایا کہ اسے عورت بازی کبھی بھی پسند نہیں آئی۔ اس نے اپنے شغل کچھ اور ہی رکھے ہوئے تھے مثلاً گھڑسواری' نیزہ بازی' شکار اور پھول اگانا۔ بہت امیر زمینداروں کے شغل بہت گندے ہوا کرتے تھے۔ اور وہ اپنے آپ کو مہاراجے اور نواب سمجھتے اور حکم چلاتے تھے۔ حکم تو چوہدری اقبال کا بھی چلتا تھا اور وہ بدنام جاگیرداروں کی طرح غنڈوں' بدمعاشوں اور جرائم پیشہ لوگوں کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھنا بھی جانتا تھا لیکن وہ انسانیت کے احترام کا خاص خیال رکھتا تھا۔

''یہ لڑکی ایک جادو بن گئی''...... اس نے ہمیں سنایا...... ''خدا کی قسم بغیر سوچے سمجھے میرے منہ سے نکل گیا...... اگلی جمعرات کو میں اسی وقت پھر ادھر سے

گزروں گا.....تمہارا نام.....اس نے سرگوشی کی.....''نوروز بی بی!.....میرے منہ سے معلوم نہیں کیوں آہ نکل گئی۔ میں گھوڑے پر بیٹھا اور چلا گیا''۔

اگلی جمعرات کو چوہدری اقبال پھر وہی گھاٹی اتر رہا تھا۔ اسے لڑکیوں کے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ وہ آدھی گھاٹی اتر کر رک گیا۔ ایک دو منٹ بعد نیچے نالے میں نوروز نمودار ہوئی اور ادھر ادھر دیکھ کر اوپر آ گئی۔ چوہدری اقبال نے ایک دو جذباتی باتیں کیں۔ لڑکی چپ رہی۔ کبھی سر جھکا لیتی کبھی سر اٹھا کر چوہدری اقبال کے منہ کی طرف دیکھ لیتی۔ چوہدری اقبال گھوڑے سے نہیں اترا کہ کوئی دیکھ لے تو شک نہ کرے۔

''نوروز!''.....اس نے کہا.....''میں برا آدمی نہیں۔ میری نیت پر شک نہ کرنا''۔

''پھر کب آؤ گے؟''.....نوروز نے جیسے سسکی لی ہو۔

چوہدری اقبال نے اسے دن بتایا اور کہا ایسی جگہ بتاؤ جہاں دل کی دو باتیں کر سکیں۔ لڑکی نے نالے کے پار دیکھا اور ہلکا سا اشارہ کیا۔ چوہدری اقبال سمجھ گیا پار کھڈ تھے اور وہ علاقہ جنگل تھا۔

☆☆☆

بگلے کا پیار

ان کی اگلی ملاقات وہاں ہوئی ۔ اس روز نوروز نے جذباتی باتیں کیں ۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب بھی ہوئے اور دونوں نے ایک دوسرے کو یقین دلایا کہ نیت خراب نہیں ہوگی ۔نوروز کی صرف ایک سہیلی تھی جو اس کی رازدان تھی ۔وہ پرے ہو جاتی تھی ۔اس طرح تقریباً پندرہ دنوں بعد ان کی تین چار ملاقاتیں ہوئیں ۔

لڑکی نے چوہدری اقبال کو اپنے متعلق بتایا کہ ایک ریٹائرڈ صوبیدار کی بیٹی ہے جو سخت طبیعت کا آدمی ہے ۔اسنے یہ بھی بتایا کہ اس کے باپ نے ایک جوان لڑکی سے شادی کر لی ہے ۔یہ جوان سوتیلی ماں نوروز کے ساتھ برا سلوک کرتی تھی پھر اس سوتیلی ماں نے نوروز کے بڑے بھائی کو اپنی ہوس کے جال میں پھنسا لیا ۔نوروز پر سختیاں تو بہت ہوتی تھیں لیکن اسے باہر جانے سے کوئی نہیں روکتا تھا ۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی سوتیلی ماں اور اس کا بھائی چاہتے ہی یہی تھے کہ نوروز گھر سے غیر حاضر ہی رہے ۔انہیں تنہائی کی ضرورت ہوتی تھی ۔بڑا بھائی اپنی بیوی کو تو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا ۔صوبیدار اپنی زمینوں پر چلا جاتا تھا جو قصبے سے دور تھیں ۔

نوروز کا یہ نفسیاتی مسئلہ تھا ۔وہ ماں کے پیار سے محروم ہوگئی تھی ۔اب اس کے لیے دھتکار رہ گئی تھی ۔ پھر گھر میں بدکاری شروع ہوگئی اور اس دوران ایک اور واقعہ ہو گیا ۔میں نے آپ کو شروع میں بتایا ہے کہ صوبیدار کی دوسری بیوی کا ایک بھائی نیم پاگل سا تھا ۔وہ اپنی بہن کے پاس یعنی صوبیدار کے گھر آیا کرتا تھا ۔بہن چاہتی تھی کہ اس کے بھائی کی شادی ہو جائے ۔ان کے ماں باپ مر چکے تھے ۔ اس جھلے کو اپنی بیٹی دینے والا کوئی نہیں تھا ۔بہن نے نوروز سے کہا کہ وہ اس کے بھائی کے ساتھ شادی کر لے تو وہ اپنا مکان اور تھوڑی سی جو زمین ہے وہ نوروز

کے نام کر دے گی۔

نوروز کو زمین اور مکان کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے صرف یہ بات اچھی لگی کہ اس کی شادی اس لڑکے کے ساتھ ہو جائے تو وہ اس کے ساتھ الگ مکان میں رہے گی اور باپ کے جہنمی گھر سے نجات ملے گی۔ چنانچہ اس نے سوتیلی ماں کے بھائی کو اپنے قریب کرنا شروع کر دیا۔ یہ لڑکا ماں باپ کے پیار سے محروم ہو چکا تھا۔ اس کی ذہنی خرابی کا باعث بھی یہی تھا۔ نوروز سے اسے پیار ملا تو وہ ذہنی لحاظ سے بہتر ہونے لگا۔ اس کی خوشی نوروز کو بھی ہوئی۔

ایک روز نوروز گھر میں اکیلی تھی۔ سوتیلی ماں کا بھائی آ گیا۔ نوروز اسے کمرے میں لے گئی اور پاس بٹھا لیا۔ اس پگلے کی نیت بگڑ گئی۔ نوروز نے اسے کہا کہ ان کی جلد ہی شادی ہو جائے گی لیکن پگلا حیوان نہیں درندہ بن گیا۔ وہ نوروز کے کپڑے پھاڑنے لگا۔ نوروز بڑی مشکل سے اس کے قبضے سے نکل کر دوڑی اور دوسرے کمرے سے باپ کی بندوق اٹھا لائی۔

اتفاق سے باہر کا دروازہ کھلا تھا۔ نوروز کے بھائی کی بیوی جو صبح اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی تھی واپس آ گئی۔ اس نے اندر کا منظر دیکھ کر پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ نوروز نے روتے ہوئے کہا کہ یہ میری عصمت پر حملہ کرتا ہے۔ نوروز کی بھابھی نے اسے کہا کہ بندوق رکھ دے اور جوتی اتار لے۔ پھر یوں ہوا کہ دونوں لڑکیوں نے جھلے کو مار مار کر بھگا دیا۔ ان دونوں لڑکیوں کی آپس میں بہت محبت تھی۔ دونوں مظلوم تھیں۔

دونوں کو ڈر تھا کہ سوتیلی ماں کو پتہ چلے گا تو گھر میں دنگا فساد ہو گا۔ دونوں جوابی حملے کے لیے تیار ہو گئیں۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ سوتیلی ماں کے بھائی نے کسی کو بتایا ہی نہیں کہ ان لڑکیوں نے اسے مارا پیٹا ہے۔ اس نے اس گھر میں آنا چھوڑ دیا۔ ادھر نوروز نے سوتیلی ماں سے کہہ دیا کہ وہ اس کے بھائی کو قبول

نہیں کرے گی۔ پھر تو اس گھر میں نوروز کا جینا حرام ہو گیا۔ سوتیلی ماں جھوٹ موٹ کی شکایتیں کر کے نوروز کو باپ اور بھائی سے ڈانٹ پڑوا دیتی۔ نوروز اتنی تنگ آ چکی تھی کہ اس نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی تفریح کا ذریعہ تھا کہ سہیلیوں کے ساتھ باہر نکل جاتی اور سب نالے میں جا کر ہنستی کھیلتی تھیں۔

ان حالات میں نوروز کو چوہدری اقبال مل گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس شخص کی محبت پاک ہے اور ساری زندگی کے لیے وہ اس کا ساتھ چاہتا ہے۔ چوہدری اقبال ساتھ چاہتا تھا یا نہیں نوروز کا نفسیاتی مطالبہ یہ تھا کہ وہ کسی کا ساتھ چاہتی تھی۔ وہ پیار کی پیاس سے مر رہی تھی۔ نفسیات کے علم کو جاننے والے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں کہ نوروز جیسی مظلوم ......اور تشنہ لڑکیاں اور نوعمر لڑکے پکے ہوئے پھل ہوتے ہیں جو پیار کے دھوکے میں آ کر بھی جھولی میں گر پڑتے ہیں یا اس قسم کی نفسیاتی کیس بارود بن جاتے ہیں۔ ذرا سا شرارہ قریب آئے تو بھک سے اڑ جاتے ہیں اور تباہی مچا دیتے ہیں۔

☆☆☆

خواب اور صندوق

نوروز نے چوہدری اقبال کو اپنے گھر کے حالات بتائے اور اسے رو رو کر کہا کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے چلے' چوہدری اقبال شادی شدہ تھا لیکن مطمئن نہیں تھا۔ برادری کی پابندیوں سے اسے جو بیوی ملی تھی وہ اسے پہلے روز سے ہی پسند نہیں آئی تھی۔ بھاری جسم کی اور واجبی شکل وصورت کی تھی اور اس کے ذہن میں گھٹن تھی لیکن مضحکہ خیز حرکتوں سے اپنے آپ کو ملکہ بنائے رکھتی تھی۔ شادی ہوئے چھ سال ہو گئے تھے اولاد بھی نہیں ہوئی تھی۔ دو ڈاکٹروں نے اس عورت میں نقص بتایا تھا۔

چوہدری اقبال نے جس طرح اس عورت کو برداشت کیا تھا یہ اس کی شرافت کا ثبوت تھا۔ اس کے سامنے جب نوروز آتی تو اسکی برداشت جواب دے گئی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ نوروز سے شادی کرے گا۔ وہ نوروز کے باپ سے باقاعدہ رشتہ مانگنا چاہتا تھا۔ لیکن نوروز نے اسے منع کر دیا۔ کہنے لگی کہ اسکی سوتیلی ماں نہیں مانے گی الٹا اس پر پابندی لگا دے گی کہ باہر نہ نکلا کرے۔ نوروز نے کہا کہ چوہدری اقبال ہمت کرے اور اسے ساتھ لے چلے۔

چوہدری اقبال نے ہمت کر دکھائی۔ ایک رات اور خاص وقت اور ایک جگہ مقرر کی۔ اس رات نوروز گھر سے نکلی۔ وہ پہنے ہوئے کپڑوں کے سوا گھر سے کچھ بھی نہ لے کر نکلی۔ مقررہ جگہ دو آدمی کھڑے تھے۔ وہ گھوڑوں پر آئے تھے۔ ایک گھوڑی نوروز کے لیے لائے تھے۔ وہ گھوڑی پر سوار ہوئی اور ان آدمیوں کے ساتھ چلی گئی۔

کسی کو خبر ہونے تک وہ چوہدری اقبال کے پاس پہنچ گئی۔ دوسرے ہی دن اس نے مولوی اور گواہوں کو بلا کر نکاح پڑھا لیا۔ چوہدری اقبال کو ڈر تھا کہ نوروز کی گمشدگی کی رپورٹ تھانے جائے گی اور پولیس اس کے گھر پر آ جائے گی

لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔

''میں حیران ہوں''.....چوہدری اقبال نے کہا.....''نوروز کے باپ اور بھائی نے اس کی پرواہ ہی نہ کی کہ گئی کہاں ہے زندہ ہے یا مر گئی ہے''۔

ان پر نئی صوبیدارنی کا جادو سوار ہے.....میں نے کہا.....اس نے سوچا ہوگا کہ ایک بوجھ سر سے اترا۔ اس نے صوبیدار اور اس کے بیٹے کو چپ رہنے پر آمادہ کرلیا ہوگا۔

صوبیدار کے گھر ڈکیتی کی واردات اس طرح ہوئی کہ نوروز چوہدری اقبال کو اپنے گھر کی باتیں سناتی رہتی تھی اور اپنی ماں کو بھی بہت یاد کرتی تھی یہ اس کی عادت ہوگئی تھی۔ وہ رو بھی پڑتی تھی۔ اپنے باپ کے خلاف زیادہ باتیں نہیں کرتی تھی کہتی تھی کہ وہ اس کے سات بڑا پیار کیا کرتا تھا لیکن سوتیلی ماں نے آکر باپ کا پیار بھی ختم کر دیا۔ چوہدری اقبال کے دل میں تو نوروز کی محبت اتنی زیادہ تھی جیسے اسے بت سمجھ کر اس کی پوجا کرتا ہو۔ پہلی بیوی کو اس نے طلاق دے دی تھی۔ نوروز نے چوہدری اقبال کی محرومیاں ختم کر دی تھیں۔ اس نے ہمیں کہ نوروز صرف خوبصورت ہی نہیں زندہ دل اور ذہین بھی ہے۔

صوبیدار کے گھر نقب لگنے سے پندرہ بیس روز پہلے نوروز صبح اٹھی تو وہ بہت اداس تھی۔ چوہدری نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ رات خواب میں اس نے اپنی ماں کو دیکھا ہے۔ ماں نے اسے کہا ہے کہ تم باپ کی جائیداد کا حصہ تو چھوڑ آئی ہو۔ تم نے اپنا وہ زیور وہاں کیوں رہنے دیا ہے جو میں نے تمہارے لیے بنوایا تھا اور میں نے تمہارے قیمتی ریشمی کپڑے بنوائے تھے؟ وہ تمہارا زیور اور تمہارے کپڑے ہیں۔ یہ تو میری سوکن اپنے پیٹ میں ڈال لے گی۔ وہاں سے لے آؤ سرخ صندوق اٹھا لاؤ۔

چوہدری اقبال نے اسے کہا کہ وہ زیور اور کپڑوں کا غم نہ کرے۔ کچھ زیور

اسے بنوا دیا ہے۔ اور جتنا اور جیسا کہے گی اسے بنوا دے گا۔ اس سے نوروز کی تسلی نہ ہوئی۔ کہنے لگی کہ وہ اپنی ماں کی روح کو خوش کرنا چاہتی ہے اور وہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کی سوتیلی ماں جیسی ذلیل اور فاحشہ عورت اس کا زیور اور اس کے کپڑے پہنے۔ ریشمی کپڑے سلے ہوئے نہیں تھے۔ یہ سات آٹھ سوٹوں کا قیمتی کپڑا تھا۔

اس سے پہلے اس نے اس زیور کا کبھی ذکر تک نہیں کیا تھا۔ پانچ چھ مہینے گزرنے کے بعد ایک خواب نے اس کے دماغ پر ایسا اثر ڈالا کہ زیور کے سوا وہ کوئی بات ہی نہیں کرتی تھی۔ چوہدری اقبال کے ہاں اسے کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی تھی لیکن وہ زیور اس کا روگ بن گیا۔ چوہدری اقبال کی کوئی بات اس پر اثر کرتی ہی نہیں تھی۔

آپ تو کہتے تھے کہ میری خواہش پر آپ آسمان سے تارے توڑ لائیں گے ......ایک روز نوروز نے چوہدری اقبال سے کہا...... ''کیا آپ میری ماں کی روح کی ایک خواہش پوری نہیں کر سکتے؟ خدا نے آپ کو اتنا اختیار دیا ہے کیا آپ کوئی طریقہ نہیں سوچ سکتے؟''

اس نے یہ بات ایسے لہجے میں کہی کہ چوہدری اقبال کا خون گرم ہو گیا۔ اس کے دماغ میں ایک طریقہ آ گیا۔ اسنے نوروز سے پوچھا کہ اس کا گھر اندر سے کس طرح ہے اور زیور والا صدوق کہاں رکھا ہے۔ نوروز نے اسے گھر کے اندر کا نقشہ سمجھایا جو چوہدری اقبال نے کاغذ پر اتار لیا۔ اس نے صندوق والے کمرے کا نقشہ بھی بنایا۔

چوہدری اقبال فیقے کو جانتا تھا۔ اس نے اپنے ایک قابل اعتماد ملازم کو بھیج کر فیقے کو بلایا اور اسے بتایا کہ فلاں محلے میں ایک پنشنی صوبیدار کا گھر ہے۔ اس میں سے ایک سرخ صندوق نکالنا ہے۔

یہ تو میں آپ کو فیقے کی زبانی سنا چکا ہوں کہ اسنے یہ واردات کس طرح کی۔ چوہدری اقبال نے اسے کہا تھا کہ وہ صندوق اس کے ہاں لے آئے۔اس میں سے وہ تھوڑا سا زیور اور ریشمی کپڑے نکال کر باقی تمام زیور اسے دے دے گا۔لیکن فیقا واردات کر کے آیا اور چوہدری اقبا کو صورت بھی نہ دکھائی۔چوہدری اقبال کو معلوم تھا کہ فلاں رات فیقا نقب زنی کے لیے گیا ہے۔

تین چار دنوں بعد چوہدری اقبال کے ایک آدمی نے میرے قصبے سے معلوم کر لیا کہ نقب لگ چکی ہے۔اور سرخ صندوق پولیس کے قبضے میں اور مال فیقے کے قبضے میں ہے۔چوہدری اقبال نے اپنے اس ملازم کو جو فیقے کو بلانے گیا تھا۔فیقے کے پاس بھیجا کہ اسے کہے کہ تم صندوق میرے پاس نہیں لائے اب کپڑے اور زیور لے آؤ۔

فیقے نے جواب بھیجا کہ لوگوں کی دیواریں ہم توڑیں سولی پر ہم کھڑے ہوں۔پولیس سے بھاگے بھاگے ہم پھریں اور مال تمہیں دے دیں۔چوہدری سے کہنا کہ میرے استاد نے مجھے یہ سبق نہیں پڑھایا تھا۔

یہ جواب سن کر چوہدری اقبال جل اٹھا اس نے ایک فیصلہ یہ کیا کہ فیقے کو مروا دے گا لیکن اسے یہ سوچ آئی کہ زیور تو فیقے کے قبضے میں رہے گا۔اس کا اس نے یہ بندوبست کیا کہ اپنے آدمی کو جو میرے پاس آیا تھا میرے تھانے میں بھیجا کہ تھانیدار سے کہے کہ اس نے فیقے کو ایک آدمی کے ساتھ دیکھا تھا اور صندوق ان کے پاس پڑا تھا۔چوہدری اقبال فیقے کو پکڑوانا چاہتا تھا۔

یہ بھی میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ یہ آدمی میرے پاس آ کر کس طرح ناکام ہوا تھا۔مجھے تو پہلے ہی پتا چل گیا تھا کہ یہ واردات فیقے کی ہے۔میں نے چوہدری اقبال کو بتایا کہ اس کا جو آدمی میرے پاس گیا تھا۔وہ ہے تو بہت ہوشیار لیکن اسے ہر ایک بات اچھی طرح نہیں بتائی گئی تھی۔اب چوہدری اقبال ڈرا ہوا تھا کہ فیقے

نے عدالت میں کہہ دیا کہ یہ واردات اس نے کرائی ہے تو کیا ہوگا۔ میں نے اور سب انسپکٹر تیرتھ رام نے اسے تسلی دی کہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ملزموں ک لگائے ہوئے الزام جن کا کوئی تحریری ثبوت نہ ہو کوئی نہیں مانا کرتا۔

فیقے نے اپنے ساتھی کو پکڑوا دیا تھا۔ تمام زیور اور کپڑے برآمد ہو گئے۔ انہوں نے کچھ زیور فروخت کرنا تھا۔ ان کے بچنے کی کوئی صورت ہی نہیں تھی۔ فیقا پہلے بھی سزا یافتہ تھا۔ اس کا ساتھی بھی سزا یافتہ تھا۔ دونوں کو آٹھ آٹھ سال سزائے قید دی گئی۔ مسروقہ سامان صوبیدار کو دے دیا گیا۔ سرخ صندوق پھر اسی گھر میں چلا گیا جہاں سے نکلا تھا۔

☆☆☆

گناہ کی حالت

اس فیصلے کو ابھی پورا مہینہ نہیں گزرا تھا کہ ایک بڑا ہی سنگین واقعہ ہو گیا۔ دن کے گیارہ بجے کے درمیان وقت تھا میں تھانے کے برآمدے میں کھڑا ایک آدمی کی بات سن رہا تھا۔ تھانے کے احاطے کے پھاٹک میں نوروز کا باپ ریٹائرڈ صوبیدار داخل ہوا۔ اسکے ہاتھ میں دو نالی بندوق تھی ۔اس کی چال پریڈ گراؤنڈ جیسی تھی وہ غیر قدرتی طور پر اکڑا ہوا چل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا۔ ایسے احمق اور بے غیرت آدمی کی میں شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس نے صوبیدار کی اکڑفوں دکھائی تو میں اسے کھری کھری سنا دوں گا۔ اسے اب میرے ساتھ کوئی کام نہیں ہونا چاہیے۔

انسپکٹر صاحب!......اس نے میرے پاس آ کر دھیمی آواز میں کہا......ذرا اندر آئیں......اور وہ میرے دفتر میں چلا گیا۔

''اب کیا ہو گیا ہے صوبیدار صاحب''!......میں نے اندر جا کر پوچھا۔

''یہ میری بندوق ہے''......اس نے بندوق میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا......''اس میں دو خالی کارتوس ہیں ۔ایک کارتوس اپنے بیٹے اور دوسرا اپنی بیوی پر فائر کیا ہے ۔دونوں کے مغز اڑا دیے ہیں ۔ان کی لاشیں میرے گھر کے ایک کمرے میں ایک دوسری کے اوپر پڑی ہیں۔ میں نے انہیں گناہ کی حالت میں ہلاک کیا ہے ۔بندوق یعنی خالی کارتوس اپنے قبضے میں لیں، مجھے گرفتار کریں اور اپنی کارروائی کریں''۔

مجھے بہت صدمہ ہوا۔ یہ حادثہ ایک روز ہونا ہی تھا۔ اور اس کی بنیاد اس شخص نے اس روز خود رکھی تھی جس روز وہ ایک جوان لڑکی کو بیاہ لایا تھا۔

میں نے ایف آئی آر لکھی اور دفتری کارروائی کر کے صوبیدار کو ساتھ لیا اور اس کے گھر گیا۔ میں نے اسے ہتھکڑی نہ لگائی ۔دو کانسٹیبل اس کے ساتھ رکھے۔

محلے میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں نے دو گواہ لیے اور صوبیدار کی رہنمائی میں اندر گیا۔ وہ مجھے وقوعہ کے کمرے میں لے گیا۔ پلنگ پر دو لاشیں پڑی تھیں۔ نیچے نئی صوبیدارنی کی اور اوپر صوبیدار کے بیٹے کی لاش تھی۔ گولی کھا کر انسان کچھ دیر تڑپتا ہے لیکن ان دونوں کی موت بغیر تڑپے آ گئی۔

دونوں کی کھوپڑیوں میں چھرے لگے تھے اور ان کے مغز اس طرح اڑے تھے کہ مغزوں کے ٹکڑے ساتھ والی دیوار کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔ دونوں گناہ کی حالت میں تھے۔ پلنگ خون سے بھرا ہوتا تھا۔

صوبیدار نے بیان دیا کہ اس نے کبھی نہیں مانا تھا کہ ان کے آپس میں اس قسم کے تعلقات ہیں۔ اس الزام پر اس نے اپنے بیٹے کے سسرال کے ساتھ دشمنی پیدا کر لی تھی۔ اب اسے خود شک ہوا۔ اس نے صبح گھر سے نکلتے ہی کہا کہ وہ شام کو واپس آئے گا۔ وہ بندوق لے کر نکلا اور ڈیڑھ گھنٹہ بعد واپس آ گیا۔ باہر کا دروازہ بند تھا۔ اس نے دیوار پھلانگی اور اندر آ گیا۔

اسے اسی پلنگ والے کمرے پر شک تھا۔ وہ دبے پاؤں برآمدے میں گیا۔ دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اسے اندر کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے کھڑکی کے کواڑ کو دیکھا۔ یہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ اس کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور دونوں کواڑ لکڑی کے تھے۔ اس نے بندوق سے ایک کواڑ کو آہستہ سے دھکیلا۔ کواڑ کھل گیا۔ سامنے پلنگ پر اسے جو منظر نظر آیا اس نے اسے پاگل کر دیا۔

دونوں نے ادھر دیکھا۔ وہ اٹھ کر بھاگنے کی حالت میں نہیں تھے۔ ان کے پہلو کھڑکی کی طرف تھے۔ فاصلہ بمشکل بارہ تیرہ فٹ تھا۔ صوبیدار نے بڑی تیزی سے بندوق کا بٹ کندھے پر رکھا۔ پہلا کارتوس اپنے بیٹے کے سر پر فائر کیا اور دوسرا اپنی بیوی کے سر پر وہ بغیر تڑپے ٹھنڈے ہو گئے۔

میں نے گواہوں کے سامنے صوبیدار کے بیان لکھے اور اسے کہا...... ''صوبیدار صاحب! پانچ سال سے اوپر ایک دن سزا نہیں ہوگی۔ فکر نہ کریں۔ لاشیں جس حالت میں پڑی ہیں یہ آپ کو بچالیں گی''۔

یہ فوری اشتعال کا کیس تھا۔ میں نے لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوائیں۔ اور صوبیدار کو ایک مجسٹریٹ کے پاس اقبالی بیان قلمبند کرانے کے لیے اے ایس آئی کے ساتھ بھیج دیا۔

پوسٹمارٹم رپورٹ آئی تو صوبیدار کو کم از کم سزا ملنے کی صورت مضبوط ہوگئی۔ ڈاکٹر کی رپورٹ واضح تھی کہ دونوں گناہ کی حالت میں تھے۔ صوبیدار نے مجسٹریٹ کو اقبالی بیان دے دیا تھا۔ میں نے دو روز بعد عدالت میں چالان پیش کر دیا۔

میں نے پہلی پیشی پر دیکھا کہ صوبیدار نے جو وکیل کیا تھا وہ بہت کمزور تھا۔ نہایت معمولی سا وکیل تھا۔ میں نے صوبیدار کو الگ کر کے کہا کہ کوئی قابل وکیل کریں۔ اس نے اتنا ہی کہا کہ اللہ مالک ہے۔ پھانسی ہوگئی تو کیا ہے میں چپ رہا۔ اس پیشی پر کوئی ساعت نہیں ہونی تھی۔ اگلی پیشی سات آٹھ روز بعد تھی۔

میں اگلی پیشی پر گیا تو عدالت کے برآمدے میں چوہدری اقبال کھڑا تھا۔ اور اس کے ساتھ بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ چوہدری اقبال نے بتایا کہ یہ اسکی بیوی نوروز ہے۔

''مجھے پرسوں پتہ چلا کہ صوبیدار صاحب کے گھر یہ واقعہ ہو گیا ہے''...... چوہدری اقبال نے مجھے بتایا...... ''مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ ان کا وکیل اچھا نہیں ہے۔ میں نے اسے (نوروز کو) کہا کہ اگلی پیشی فلاں دن ہے۔ چلو صوبیدار صاحب سے معافی مانگیں گے اور کوئی قابل وکیل کریں گے''۔

اس نے بڑا ہی قابل ایک ہندو وکیل کر لیا تھا۔ وہ بہت مہنگا وکیل تھا۔

صوبیدار کو ہتھکڑیوں میں لائے تو نوروز دوڑ کر اس کے گلے لگ گئی اور بہت روئی' کانسٹیبلوں نے اسے پیچھے ہٹایا۔ میں نے کانسٹیبلوں سے کہا کہ ہتھکڑی ایک ہاتھ کو لگاؤ۔ انہوں نے ہتھکڑی کھول کر ایک ہاتھ میں کر دی۔ صوبیدار نے اپنی بیٹی کو بازو میں لے لیا۔ چوہدری اقبال نے اس کے پاؤں چھوئے اور اسے بتایا کہ وہ کون ہے۔

میں یہ کہانی سناتا جاؤں تو لمبی ہوتی جائے گی۔ بات مختصر کرتا ہوں ''نوزی''......صوبیدار نے نوروز سے کہا......''بیٹی! گھر میں کوئی بھی نہیں رہا۔ تم اس (چوہدری اقبال) کے ساتھ وہاں آ جاؤ یا وہ صندوق لے جاؤ۔ سارا زیور اس میں رکھا ہے''۔

''گھر کا آپ فکر نہ کریں''......چوہدری اقبال نے کہا......''میں اس کی حفاظت کا انتظام آج ہی کر دوں گا''۔

ایک مہینے بعد مجسٹریٹ سے کیس سیشن کورٹ میں چلا گیا۔ ڈیڑھ مہینے بعد سیشن کورٹ نے فیصلہ سنا دیا......دو سال سزائے قید اور پانچ ہزار روپیہ جرمانہ بصورت عدم ادائیگی جرمانہ چھ ماہ قید۔ چوہدری اقبال نے پانچ ہزار روپیہ جرمانہ ادا کر دیا اور سزا دو سال رہ گئی۔ میرا خیال تھا کہ فوری اشتعال کا کیس ہے اور سزا پانچ سال ہو گی لیکن چوہدری اقبال کے لائے ہوئے وکیل نے قابلیت کا ایسا کمال دکھایا کہ صوبیدار کو سزا دو سال ملی۔

☆☆☆

دام میں صیاد آ گیا

وہ عام سا ایک قصبہ تھا جس کے تھانے کا میں انچارج تھا۔ اس کے اردگرد کا کچھ دیہاتی علاقہ بھی اسی تھانے میں آتا تھا۔ یہ ہندوؤں کی اکثریت کا علاقہ تھا۔ اتفاق سے اس قصبے میں اکثریت مسلمانوں کی تھی جن میں زیادہ تر کاشتکار تھے۔ بڑی زمینداریاں بھی مسلمانوں کے پاس تھیں۔ مسلمان فوج میں زیادہ بھرتی ہوتے تھے۔ ان لوگوں کے ہاں تعلیم بہت تھوڑی تھی اور روپیہ بہت زیادہ تھا۔ فوجی خدمات کی وجہ سے چند ایک خاندانوں کو حکومت کی طرف سے نہری علاقے میں مربعے بھی ملے ہوئے تھے۔

ان خاندانوں میں سے ایک کاندان کا ایک آدمی جس کی عمر پینتیس چالیس سال کے درمیان تھی' تھانے میں یہ رپورٹ لے کر آیا کہ اس کے گھر میں چوری ہو گئی ہے۔ چوری کی واردات کی رپورٹ لکھنے سے پہلے جو سوال پوچھے جاتے ہیں۔ میں نے وہ سارے سوال پوچھے۔ پتہ چلا کہ یہ اس قسم کی چوری نہیں جیسی چوریاں ہوا کرتی ہیں۔ چور دیوار پھاند کر نہیں آئے تھے کوئی تالہ نہیں ٹوٹا تھا نقب نہیں لگی تھی ہوا یوں تھا کہ ایک ٹرنک میں سے سونے کا ایک ہار دو سونے کے کڑے اور دو انگوٹھیاں نکل گئی تھیں۔

میرے پوچھنے پر اس شخص نے جس کا نام غفور تھا۔ مجھے بتایا کہ ٹرنک تالے کے بغیر تھا۔ یہ عام طور پر تالے کے بغیر ہی رہتا تھا۔ زیور کی یہ چیزیں ٹرنک میں کپڑوں کے نیچے نہیں رکھی ہوئی تھیں جیسے لوگ رکھا کرتے ہیں۔ یہ زیور غفور کی بہن کا تھا جو وہ اکثر پہنے رکھتی تھی اور اتار کر ویسے ہی ٹرنک میں رکھ دیا کرتی تھی۔ یعنی یہ عام استعمال کا زیور تھا۔

''کسی پر شک؟''

''کسی پر نہیں''...... غفور نے جواب دیا...... ''ہمارے گھر میں یہ پہلی چوری

ہوئی ہے''۔

''چوری کس وقت ہوئی؟''

''یہ بھی معلوم نہیں''......غفور نے جواب دیا......''میری بہن کہتی ہے کہ دو روز پہلے اس نے یہ چیزیں اتار کر ٹرنک میں رکھی تھیں۔ آج ٹرنک کھولا تو یہ چیزیں غائب تھیں''۔

''گھر میں کوئی نوکر ہے؟''

''دو نوکر ہیں''......غفور نے جواب دیا......''ان کے علاوہ ایک عورت مستقل نوکرانی ہے۔ ایک عورت اور ہے جو کچھ وقت کے لیے آتی ہے اور جھاڑ پونچھ کر کے چلی جاتی ہے''۔

''کیا ان سب پر آپ کو اعتبار ہے؟''

''ان سب کو ہمارے گھر میں کئی کئی سال ہو گئے ہیں''......غفور نے جواب دیا......''ان میں اگر کوئی چور ہوتا تو وہ کچھ عرصہ پہلے بھی چوری کی واردات ضرور کرتا......پھر بھی ان لوگوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ غریب لوگ ہیں جو بعض اوقات چوری چکاری پر مجبور ہو جاتے ہیں''۔

''کیا آپ کو یقین ہے کہ باہر کے کسی آدمی یا عورت نے چوری نہیں کی؟''

''غفور صاحب ایک بات بتائیں؟''......میں نے پوچھا......''آپ کے دو نوکر اور دو نوکرانیاں ہیں۔ ان میں سے کسی کی بیٹی یا بیٹے کی شادی تو نہیں ہو رہی؟''

''نہیں''......غفور نے کہا......''ان میں سے کسی کی اولاد ابھی شادی کی عمر کو نہیں پہنچی''۔

''میں اپنا یہ سوال اور زیادہ واضح کرتا ہوں......میں نے غفور سے کہا......''ایسا ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی کی اپنی یا اپنے بیٹے یا بیٹی کی شادی کا

انتظام ہو رہا ہو یا ان میں سے کسی کے ہاں کوئی ایسا خوشی یا غمی کا موقع آ گیا ہو جس کے لیے اسے زیادہ رقم کی ضرورت پڑ گئی ہو اور اس نے یہ زیورات چوری کر کے بیچ ڈالے اور اپنی ضرورت پوری کر لی ہو''۔

غفور کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے کہا کہ ایسی بھی کوئی بات نہیں۔

میرے ذہن میں جو شک بھی آیا وہ میں نے اس کے سامنے رکھ دیا۔ چوری کے کئی امکانات ہوتے ہیں۔ وہ سب اسے سنائے لیکن کوئی ایک بھی شک یا امکان ایسا نہ تھا جس کے متعلق غفور نے کہا ہو کہ ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ مجھے بالکل کوری تختی دکھا رہا تھا۔ میں نے شاید پہلے کسی کہانی میں لکھا ہے کہ چوری کی واردات کی تفتیش بہت مشکل ہوتی ہے۔ انگریزوں کے زمانے میں یوں تھا کہ کسی تھانیدار نے قتل کی ایک ہزار وارداتوں کے ملزم کو پکڑا کر انہیں سزا دلائی ہوا سے اتنی شاباش نہیں ملتی تھی جتنی مسروقہ یعنی چوری کی چند ایک وارداتوں کی کامیاب تفتیش پر ملتی تھی۔ کسی تھانیدار کی ترقی کا وقت آتا تو انگریز یہ دیکھتے تھے کہ اس نے سرقہ کی کتنی وارداتوں کے ملزم پکڑے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ پولیس کے ذرائع بڑے وسیع ہوتے ہیں۔ ایسے آدمی بھی پولیس کے مخبر ہوتے ہیں جن کے متعلق کوئی تسلیم نہ کرے کہ یہ معزز اور صاحب حیثیت بزرگ بھی مخبر ہو سکتے ہیں۔ بعض آدمی تھانیدار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مخبری اور چغلی کرتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو عداوت کی بنا پر پولیس کی درپردہ کام کی کوئی اطلاع دے دیتے ہیں۔ یہ تھانیدار کی فہم و فراست اور ذہانت پر منحصر ہے کہ وہ مخبروں کی اطلاعوں اور معلومات کو کتنی خوبی سے استعمال کرتا ہے۔ تھانیداروں کے پاس جادو یا کالا علم نہیں ہوتا۔ انہیں اپنا دماغ نچوڑنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے پرخلوص محنت اور بھاگ دوڑ کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر چوری کی ایسی واردات ہو جائے جیسے چوریاں ہوتی ہیں تو یہ امکان ہوتا

ہے کہ یہ واردات کسی پیشہ ور چور نے کی ہے۔ اس صورت میں علاقے کے عادی مجرموں کو تھانے بلایا جاتا ہے اور تفتیش کی جاتی ہے۔ یہ تفتیش باتوں سے بھی ہوتی ہے ہاتھوں سے بھی لیکن غفور کے گھر کی چوری ایسی نوعیت کی تھی جو کسی عادی چور کی واردات معلوم نہیں ہوتی تھی۔ غفور ٹھیک کہتا تھا کہ اس کے نوکروں میں کوئی چور ہوتا تو اس گھر میں پہلے بھی چیزیں یا پیسے غائب ہوتے رہتے۔

☆☆☆

دونوں لڑکیاں خوبصورت تھیں

چور نوکروں میں سے تھا یا چور گھر میں تھا۔ اگر چور گھر کا ہی کوئی فرد تھا تو یہ میرے لیے کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ اس سے پہلے میں کو دچوری کی ایسی تین وارداتوں کے مجرم پکڑ چکا تھا۔ ایک واردات تو باقاعدہ نقب زنی کی تھی جو تجربہ کار مجرموں نے کی تھی لیکن گھر بھیدی کا کام گھر کی ایک جوان لڑکی نے کیا تھا۔ مجھے اس چوری میں بھی اسی امکان کا دیکھنا تھا۔

''کیا آپ کی یہ بہن شادی شدہ ہے جس کا یہ زیور تھا؟''

''ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی''......غفور نے جواب دیا۔

''عمر؟''

''اکیس بائیس سال ہوگئی ہے''......غفور نے بتایا......اس سے چھوٹی ایک بہن ہے۔

''کتنی چھوٹی ہے؟''

''اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال ہے''۔

میں غفور سے وہ سوال نہیں پوچھنا چاہتا تھا جو اس سلسلے میں ضروری تھے۔ کوئی بھائی اپنی بہنوں کے متعلق ایسی بات زبان پر نہیں لاتا جو میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے مجھے اپنے دوسرے ذرائع استعمال کرنے تھے۔ میں نے نامعلوم ملزم کے خلاف ایف آئی آر لکھنے کے لیے غفور سے جو کچھ پوچھنا تھا پوچھ لیا۔ اور اس کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔

یہ بڑی کشادہ حویلی تھی۔ کم وبیش دس مرلے کا توصحن ہوگا۔ جس میں درخت بھی تھے اور پھولدار پودے بھی۔ ایک طرف کنواں تھا حویلی دومنزلہ تھی۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ یہ امیر لوگ ہیں۔ غفور کے باپ کی فوجی خدمات کے صلے میں اسے تین چار مربعے زرخیز زمین ملی ہوئی تھی اور قصبے کے قریب ان کی خاصی زیر

کاشت زرعی زمین بھی تھی۔ کھیتوں میں سبزیوں کا چھوٹا سا ایک باغ بھی تھا۔

میں جب اس گھر میں داخل ہوا تو گھر کے تمام افراد میرے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ میں نے ہر یک کو نظروں سے بھانپا۔ خاص طور پر غفور کی دونوں بہنوں کو میں نے بہت غور سے دیکھا۔ چہرہ شناسی ایک مشکل فن ہے جو کسی کتاب سے نہیں سیکھا جا سکتا۔ اس کے لیے تجربے اور گہرے مشاہدے کے ساتھ ساتھ روشن دماغ کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ مجھے یہ فن اچھے برے لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑنے سے آ گیا تھا۔

دونوں بہنیں صحیح معنوں میں خوبصورت تھیں۔ ان کے رنگ گورے تھے۔ قد کاٹھ بھی اچھے تھے لیکن ان کی چال ڈھال اور انداز سے اگر ان کے چال چلن کا نہیں تو کم از کم یہ پتہ ضرور چلتا تھا کہ دونوں شوباز لڑکیاں ہیں اور یہ یقیناً ڈینگیں مارنے کی عادی ہوں گی۔ لڑکیوں کی ماں نے تو اس طرح کی باتیں شروع کر دی تھیں جیسے وہ ملکہ ہو اور مجھے اس نے اس لیے بلایا ہو کہ میں چور کو پکڑ کر اس کے حوالے کر دوں اور وہ اسے جلاد کے حوالے کر دے گی۔

''جو بھی اس حویلی کے قریب سے گزرتا ہے سر جھکا کر گزرتا ہے''......غفور کی ماں نے کہا......''مجھے صرف یہ پتا چل جائے کہ اس حویلی میں چوری کرنے کی جرأت کس نے کی ہے''۔

''ہمارے نام سے تو سارا شہر کانپتا ہے''......غفور کے بوڑھے باپ نے کہا۔

کچھ دیر تک تو مجھے اس قسم کے مکالمے سننے پڑے۔ مجھے تو انہوں نے ہر بارہ بنا دیا تھا۔ میں خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا اور یہ ظاہر کیا کہ میں مرعوب ہو گیا ہوں۔ دونوں لڑکیوں نے بھی اسی قسم کی باتیں کیں۔ صرف ایک عورت تھی جو اپنے ایک بچے کو اٹھائے ہوئے چپ چاپ الگ کھڑی تھی۔ وہ بدصورت تو نہیں تھی لیکن اس خاندان کے حسن سے محروم تھی۔ اس کا رنگ صاف ستھرا تھا لیکن ان

دونوں لڑکیوں کے مقابلے میں اس کا رنگ سانولا لگتا تھا۔اس کی خاموشی اور اس کے انداز سے صاف پتہ چلتا تھا کہ بھلی عورت ہے۔وہ غفور کی بیوی تھی۔میں اس کے چہرے پر اداسی دیکھ رہا تھا۔

میرے کہنے پر غفور نے مجھے اس کمرے میں لے گیا جہاں واردات والا ٹرنک رکھا تھا۔یہ ٹرنکوں والا کمرہ نہیں تھا۔اس کمرے میں آمنے سامنے دیواروں کے ساتھ دو بڑے خوبصورت پلنگ بچھے ہوئے تھے۔ان کے درمیان یعنی تیسری دیوار کے ساتھ شیشے والی میز تھی جسے بعد میں لوگوں نے سنگار میز کہنا شروع کر دیا تھا۔اور اب اسے ڈریسنگ ٹیبل کہتے ہیں۔اسی کمرے کی چوتھی دیوار کے ساتھ دو تین ٹرنک اوپر نیچے رکھے ہوئے تھے۔سب سے اوپر والا ٹرنک چھوٹا تھا۔زیور اسی میں سے گیا تھا۔میں نے دیکھا کہ سونے کے جھمکوں کی ایک جوڑی سنگھار میز پر پڑی تھی۔

''کیا آپ زیورات اسی طرح لاپروائی سے رکھا کرتے ہیں؟''......میں نے ان لوگوں سے پوچھا۔

''ہمارے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں''......غفور کی ایک بہن نے جواب دیا......''کوئی یہ جھمکے اٹھالے جائے گا تو یہاں کیا فرق پڑے گا''۔

میں نے اس لڑکی کو کوئی جواب نہ دیا اور اس سے پوچھا کہ جو چیزیں چوری ہو گئی ہیں وہ کہاں رکھی تھیں۔غفور نے وہ ٹرنک کھول کر مجھے دکھایا اور بڑی بہن نے بتایا کہ اوپر والے کپڑے کے نیچے رکھی تھیں۔کسی بھی ٹرنک کو تالا نہیں لگا ہوا تھا۔یہ تو مجھے یقین تھا کہ چور باہر سے نہیں آیا۔میں نے ان سے پوچھا کہ ان کے نوکروں میں سے کوئی ایسا ہے جسے چھوٹی موٹی چیز چرانے کی عادت ہو۔ان سب نے اپنی اپنی رائے دی جس سے پتہ چلتا تھا کہ نوکر قابل اعتبار ہیں بھی اور نہیں بھی۔اب میرا یہ کام تھا کہ میں دیکھوں کہ نوکر قابل اعتبار ہیں یا نہیں۔

''کیا آپ لوگوں نے نوکروں سے پوچھا تھا؟''...... میں نے کہا...... ''یا انہیں بتایا تھا کہ کچھ زیور چوری ہو گیا ہے؟''

''بڑی اچھی طرح پوچھا تھا''...... غفور نے جواب دیا...... ''سب قسمیں کھاتے ہیں''۔

مجھے ایک اور خیال آیا۔ اب بھی دیہات اور شہروں کے پسماندہ گھرانوں میں ایسے ہوتا ہے کہ کسی کی چوری کی جائے تو وہ مولوی کو بلا کر لوٹا پھرواتے ہیں یا مٹی چھینکواتے ہیں۔ اس زمانے میں تو یہ گھر گھر کا رواج تھا۔ لوٹا پھروانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مولوی یا کوئی عامل لوٹا سامنے رکھ کر بیٹھ جاتا ہے اور ایک بچے کو پاس بٹھا کر اس کا ہاتھ لوٹے پر رکھ دیتا ہے۔ جن لوگوں پر چوری کا شک ہوتا ہے ان میں سے ہر ایک کے نام کی پرچی باری باری لوٹے میں ڈالی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب چور کے نام کی پرچی لوٹے میں پڑتی ہے تو لوٹا گھوم جاتا ہے۔ پرچی کھول کر دیکھتے ہیں کہ یہ کس کا نام ہے۔

مٹی چھینکوانے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کی زیور کی کوئی چیز یا تھوڑے سے پیسے یا ایسی ہی چھوٹی سی کوئی چیز چوری ہو جائے تو وہ اعلان کرتا ہے کہ اسکے گھر آ کر سب مٹی پھینکیں۔ اگر اس طرح مسروقہ چیز نہ ملی تو وہ لوٹا پھروائے گا پھر سب کو پتہ چل جائے گا کہ چوری اس شخص نے کی ہے۔ اس اعلان کے جواب میں اڑوس پڑوس کے گھروں کے لوگ فرداً فرداً اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اتنی مٹی لاتے ہیں جو دونوں میں آ جائے۔ یہ مٹی ہر مرد اور عورت اعلان کرنے والے کے صحن میں الگ الگ ڈھیریوں کی صورت میں رکھ آتے ہیں۔ جب یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو گھر والے مٹی کی ہر ڈھیری میں دیکھتے ہیں۔ اگر چور وہ چیز واپس کرنا چاہے تو اس مٹی میں چھپا کر رکھ آتا ہے۔ اس سے فائدہ ہوتا ہے کہ گھر والوں کو مسروقہ چیز مل جاتی ہے اور چوری کرنے والے کا پردہ رہ جاتا ہے۔

چونکہ اس زمانے میں یہ دونوں عمل ہر چوری کے موقع پر آزمائے جاتے تھے اس لیے میں نے غفور اور اس کے گھر کے تمام افراد سے پوچھا کہ انہوں نے یہ دونوں عمل کروائے ہیں؟

''میں تو اسی روز مولوی کو بلوا رہی تھی''...... غفور کی ماں نے کہا...... ''میں نے یہ بھی کہا تھا کہ نوکروں سے اور محلے والوں سے کہوں گی ک ہمارے صحن میں مٹی پھینکو لیکن غفور نے روک دیا''۔

''کیوں غفور بھائی؟''...... میں نے اس سے کہا...... ''یہ بھی کر کے دیکھ لینا تھا آپ نے کیوں نہیں کیا؟''

''میں چور کو سزا دلانا چاہتا ہوں''...... غفور نے کہا...... ''مٹی میں کوئی ہماری چیزیں رکھ جائے تو ہمیں کس طرح پتہ چلے گا کہ چور کون ہے؟''

میں دونوں نوکروں اور نوکرانیوں کو ساتھ لے کر تھانے چلا گیا۔ پہلا کام یہ کیا کہ قصبے کے دو تین کرتا دھرتا سناروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ زیور کی یہ چیزیں چوری ہو گئی ہیں۔ اگر ان کے پاس کوئی آدمی زیور بیچنے آئے تو فوراً تھانے میں اطلاع کر دیں۔ زیورات کی چوری میں یہ کارروائی ضروری ہوتی ہے۔

☆☆☆

اپنے آپ کو شہزادیاں سمجھتی ہیں

تھانے جا کر دونوں نوکروں اور دونوں نوکرانیوں کو اکیلے اکیلے اندر بلا کر میں نے پوچھ گچھ کی۔ سب نے قسمیں کھائیں۔ ان میں کوئی چودہ پندرہ سال سے اس گھر میں ملازم تھا، کوئی آٹھ سال سے۔ ان میں کوئی بھی نیا نہیں تھا۔ یہ تو میں نے پہلے ہی سوچا تھا کہ چور اچانک چور نہیں بن جاتا۔ پہلے چھوٹی چھوٹی چوریوں کی عادت ہوتی ہے پھر وہ لمبے ہاتھ مارنے لگتا ہے۔ البتہ ایک خیال آتا تھا کہ غریب آدمی کے سامنے ایک چیز پڑی ہو جسے اٹھانے میں کوئی دشواری نہ ہو تو وہ قسمت آزمائی کا خطرہ مول لے سکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے سنگھار میز پر جھمکوں کی جوڑی پڑی دیکھی تھی۔ کوئی بھی نوکر کو جھاڑ پونچھ کرتے جھمکے اٹھا کر جیب میں ڈال سکتا تھا۔ سامنے پڑا ہوا پیسہ یا کوئی اور چیز اشتعال دلاتی ہے کہ اسے اڑا لیا جائے۔

میں نے اس خیال کے پیش نظر نوکروں کو الگ الگ بلا کر ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔ انہیں منوانے کا یہی ایک طریقہ تھا کہ اس پر تھوڑا سا تشدد کیا جائے۔ میں نے طریقے آزما کر دیکھ لیے مجھے ناکامی ہوئی۔

دونوں نوکرانیوں میں ایک ایسی تھی جسے میں عقلمند سمجھنے لگا۔ وہ ہوشیار اور چالاک بھی ہو سکتی تھی۔ وہ جو کچھ بھی تھی دوسروں کی نسبت ذہین تھی۔ وہ جو جواب دیتی تھی اس میں مجھے کچھ جان نظر آتی تھی۔ اس کا نام مجھے آج تک یاد ہے۔ اسے شفو کہتے تھے۔

''دیکھ شفو!''...... میں نے اسے کہا......''میں تمہیں موقع دیتا ہوں۔ چور تم چاروں میں ہے۔ اگر اس وقت چور بول پڑے تو میں قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ اسے گرفتار نہیں کروں گا۔ وہ مال واپس کر دے''۔

''میں اپنی قسم کھا سکتی ہوں''.....شفو نے کہا.....''باقی رہے یہ دو نوکر اور ایک نوکرانی ان کی میں قسم تو نہیں کھاتی لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ یہ چوریاں کرنے والے لوگ نہیں''۔

''چور باہر سے نہیں آیا شفو''.....میں نے کہا۔

''اور میں کہتی ہوں کہ چور باہر سے آیا تھا''.....شفو نے جواب دیا''اس گھر میں سارے محلے کی عورتیں آتی رہتی ہیں۔ان کے رشتہ دار بھی آتے ہیں۔ان کے بچے بھی ساتھ ہوتے ہیں''۔

''لیکن دن دیہاڑے باہر کی کوئی عورت ٹرنک تو نہیں کھول سکتی''......میں نے کہا۔

''ٹرنک لڑکیاں خود کھول دیتی ہیں''.....شفو نے کہا.....''یہ کمرہ ان دونوں بہنوں کا ہے۔طرح طرح کی عورتوں کو اس کمرے میں لے جاتی ہیں اور انہیں اپنا زیور دکھاتی ہیں۔پھر ان پر اپنی امیری کی دھونس جماتی ہیں۔انہیں سو سو کے نوٹ دکھاتی ہیں۔پھر زیور اور پیسے ان کے سامنے اس طرح پلنگ پر شیشے والی میز پر اور ٹرنکوں میں پھینکتی ہیں جیسے یہ معمولی سی چیزیں ہوں جن کی انہیں کوئی پروا نہیں۔میں تو کہتی ہوں کہ باہر کی کسی عورت نے یہ چیزیں اڑالی ہیں۔اگر میں یا دوسرے نوکروں میں سے کوئی چوری کرنا چاہتا تو وہ پہلے بھی کر سکتا تھا۔زیور اور پیسے اسی طرح باہر ادھر ادھر پڑے رہتے ہیں''۔

سو سو کے نوٹوں کے متعلق میں واضح کرنا چاہتا ہوں۔اس زمانے میں سو کا نوٹ کسی سیٹھ یا ساہوکار کے پاس یا کسی بہت ہی زیادہ امیر کے پاس ہوتا تھا۔ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے سو کا نوٹ کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔

''یہ دونوں بہنیں کیسی ہیں؟''......میں نے شفو سے پوچھا.....''یہ تو تم نے بتا دیا ہے کہ وہ شو مارتی ہیں''۔

''وہ تو اپنے آپ کو شہزادیاں سمجھتی ہیں''......شفو نے جواب دیا...... ''لیکن چال چلن کی ایسی بری بھی نہیں۔ شک ضرور ہوتا ہے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ اس طرح کہ گھر میں ان کے رشتے برادری کا کوئی جوان آ جائے خواہ وہ ان کے بڑے بھائی غفور کا ہی دوست کیوں نہ ہو یہ دونوں اس کے آگے پیچھے ضرور پھریں گی اور اس پر اپنی جوانی اور خوبصورتی کا عکس ضرور ڈالیں گی۔ اس سے ان کے چال چلن پر بھی شبہ ہوتا ہے''۔

شفو کے متعلق میں نے یہ رائے قائم کی کہ یہ لوگوں کے گھروں میں کام کرنے والی ان عورتوں میں سے ہے جو در پردہ بہت کچھ کرتی ہیں۔ میں نے اس قسم کی عورتوں کا اپنی کہانیوں میں کئی بار ذکر کیا ہے۔ ایسی عورتیں پولیس کے لیے مفید ثابت ہوتی ہیں۔ یہ خفیہ پیغام ادھر ادھر پہنچاتی ہیں۔ میں نے شفو کو انہی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی عمر تیس بتیس سال ہوگی۔ پھرتیلے جسم کی عورت تھی۔ چہرے پر جوانی کی کشش موجود تھی۔ اس کی زبان میں بھی اس کے جسم جیسی پھرتی تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس کا خاوند ہے جو لوگوں کے گھروں میں پانی ڈالتا ہے جسے ماشکی بھی کہتے ہیں اور بہشتی بھی۔

''وہ کیسا آدمی ہے؟''......میں نے شفو سے پوچھا۔

''وہ آدمی ہوتا تو میں آج تھانے نہ بیٹھی ہوتی''......شفو نے جواب دیا......''وہ تو بس اللہ میاں کی گائے ہے''۔

''شفو!''......میں نے مسکرا کر اسے کہا......''تم کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہو مجھ سے نہ چھپاؤ''۔

اس نے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے پہلے سے زیادہ قسمیں کھائیں۔

''پھر محلے کی کوئی عورت بتا دو جس پر تمہیں شک ہو''میں نے کہا......''تم کہتی

ہونا کہ باہر کی عورتیں اس گھر میں آتی رہتی ہیں''۔

''تھانیدار جی!'' شفو نے کہا...... ''میں اپنے آپ کو بچانے کے لیے کسی اور کا نام نہیں لوں گی۔ مجھے ایسی کوئی عورت نظر نہیں آتی جسے میں چور کہہ سکوں۔ آپ کو اگر مجھ پر شک ہے تو مجھے بٹھائے رکھیں اور جو سلوک کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ میں خود چور نہیں ہوں اور کسی کو چور نہیں کہوں گی''۔

اس عورت نے مجھے متاثر کر لیا تھا لیکن میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ یہ عورت صرف عقلمند ہی ہے یا بدمعاش بھی۔ متاثر ہونا کچھ اور بات ہے لیکن اعتبار کر لینا ایک تھانیدار کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ میں نے ذہن میں اس عورت کو مشتبہوں کی فہرست میں رکھ لیا۔ میں نے دونوں نوکروں اور دونوں نوکرانیوں کو تھانے الگ بٹھا لیا۔

☆☆☆

اس عورت پر شک نہ کریں

یہ اتنا سنگین کیس نہیں تھا کہ میں ضروری کام چھوڑ کر اسی کے پیچھے پڑا رہتا۔ میرے پاس ایک ہی اے ایس آئی تھا جو ان دنوں ملیریا بخار کی وجہ سے ہسپتال پڑا تھا۔ اس کی جگہ مجھے عارضی طور پر کوئی اے ایس آئی نہیں دیا گیا تھا اس لیے مجھ پر کام کا بوجھ تھا۔ میں دوسرے کاموں میں لگ گیا۔ اتنے میں غفور آ گیا۔

''غفور بھائی!'' ...... میں نے کہا ...... ''آپ کے نوکر اور نوکرانیاں تو مجھے بے گناہ معلوم ہوتے ہیں ...... شفو کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟''

''یہ تو بالکل ہی بے گناہ عورت ہے ملک صاحب!'' ...... غفور نے جواب دیا ...... ''اس کی باتیں سنو تو شک ہوتا ہے کہ بڑی چالاک عورت ہے لیکن ایسی بات نہیں یہ دل کی بڑی صاف ہے''۔

''پولیس کی نظر کچھ اور ہوتی ہے غفور بھائی''۔

''ملک صاحب!'' ...... غفور نے کہا ...... ''اس عورت کو آپ میری نظر سے دیکھیں''۔

''غفور بھائی'' ...... میں نے اسے کہا ...... ''اگر آپ چاہتے ہیں کہ چور پکڑا جائے اور آپ کا مال برآمد ہو جائے تو کچھ ہمت خود بھی کر لیں۔ آپ کے گھر میں آپ کے محلے اور برادری کی عورتیں آتی رہتی ہیں اور آپ کا زیور ویسے ہی ادھر ادھر پڑا رہتا ہے۔ میں فرشتہ یا جادوگر نہیں کہ ان حالات میں چور کو پکڑ لوں گا۔ میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ لیکن آپ خود غور کریں کہ آپ کے گھر میں جو عورتیں آتی ہیں ان میں کوئی ایسی ہے جو چوری چکاری کی عادی ہو''۔

''ہاں ہاں ملک صاحب!'' ...... غفور نے کہا ...... ''آپ سے زیادہ تو میں خود تفتیش کر رہا ہوں۔ آپ کے پاس رپورٹ لکھوانے کا مطلب یہ تھا کہ چور کو آپ کے حوالے کر دوں تو آپ اسے سزا دلا سکیں ...... نوکروں اور نوکرانیوں کو آپ

کب چھوڑیں گے؟''

''کیا آپ ان کی سفارش کرنے آئے ہیں کہ یہ بے گناہ ہیں؟''...... میں نے اس سے پوچھا...... ''نہیں میں آپ کے کہنے پر تو نہیں چھوڑ دوں گا۔ مجھے اپنا شک رفع کرنا ہے''۔

''میرا خیال ہے''...... اس نے ڈھیلی آواز میں کہا...... ''چوری ان میں سے کسی نے نہیں کی۔ انہیں چھوڑ ہی دیں تو بہتر ہے۔ گھر میں کام کاج کی بڑی مشکل پیش آرہی ہے''۔

''آپ اپنی ضمانت دے کر انہیں لے جائیں''...... میں نے کہا...... ''اگر مجھے ان میں سے کسی کی ضرورت آدھی رات کو بھی پڑی تو یہ آپ کا فرض ہو گا کہ اطلاع ملتے ہی اسے تھانے میں حاضر کریں۔ اگر نہیں کریں گے تو میں آپ کو مہلت نہیں دوں گا۔ سیدھا حوالات میں بند کر دوں گا''۔

''ہاں ملک صاحب!''...... اس نے کہا...... ''آپ جیسی ضمانت چاہیں لے سکتے ہیں''۔

''میں آپ کو یہ بھی بتا دوں غفور بھائی!''...... میں نے کہا...... ''کہ میں آپ کی زبان سے یہ شکایت نہیں سنوں گا کہ میں تفتیش میں سستی کر رہا ہوں۔ میں آپ سے تحریری ضمانت لے رہا ہوں۔ چوری آپ کی ہوئی ہے۔ کوئی قتل نہیں ہوا۔ میں اپنی سہولت کے مطابق تفتیش کروں گا''۔

اس نے ضمانت دے دی اور دونوں نوکروں اور نوکرانیوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی تھانیدار کسی کو شامل تفتیش کرے اور کوئی آدمی آ کر اسے ذاتی ضمانت یا تحریری یقین دہانی پر چھڑا کر لے جائے۔ اگر یہ چاروں نوکر میرے مشتبہ ہوتے اور میں انہیں تھانے میں رکھنے کی ضرورت محسوس کرتا تو میرے اوپر کے افسر بھی انہیں مجھ سے نہیں چھڑا سکتے تھے۔

میں نے دیکھ لیا تھا کہ ان چاروں میں چور کوئی بھی نہیں تھا۔ اپنا شک پوری طرح رفع کرنے کے لیے اور انہیں ذرا نرم کرنے کے لیے میں انہیں رات گئے تک تھانے میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں انہیں چھوڑنے کا بھی سوچ رہا تھا۔ غفور نے مجھے کہا کہ میں انہیں چھوڑ دوں تو میں اپنی ذمہ داری کم کرنے کے لیے یہ بات اس کے سر پر ڈال دی تا کہ وہ بعد میں کوئی شکایت نہ کرے۔ البتہ میں اس بات پر حیران ہوا کہ غفور نے خود انہیں چھڑوایا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ چوری جس کی ہو جاتی ہے وہ ہر کسی کو چور سمجھتا ہے۔

میں نے اس صورت حال سے جو غفور نے میرے لیے پیدا کی تھی بلکہ جو میں نے خود ہی پیدا کروائی تھی ایک اور کارروائی سوچ لی۔ مجھے خیال آیا کہ غفور نے ان چاروں پر ظاہر کر دیا ہے کہ اسے یا پولیس کو ان پر شک نہیں اس لیے ان میں جو بھی چور ہو گا اسے یہ ڈر نہیں ہو گا کہ اس کے گھر کی تلاشی ہو گی۔

☆☆☆

زلیخا جو بیوہ تھی

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ میں نے ایک ہیڈ کانسٹیبل اور دو کانسٹیبلوں کو ساتھ لیا اور غفور کے دروازے پر جا دستک دی۔ وہ گہری نیند سے اٹھ کر آیا۔ دیہات اور چھوٹے چھوٹے قصبوں میں لوگ بہت جلدی سو جایا کرتے تھے۔ میں نے غفور سے پوچھا کہ اس کے نوکر کہاں رہتے ہیں۔ صرف ایک نوکر جس کی عمر پچاس سال کے قریب تھی حویلی کے ہی ایک کمرے مین رہتا تھا۔ دوسرا نوکر اور دونوں نوکرانیاں اپنے گھروں کو چلی جاتی تھیں۔

غفور کو ساتھ لیا اور پہلے ہم اس کے گھر گئے۔ اس کے گھر کی پوری تلاشی لی۔ پھر دونوں نوکرانیوں کے گھر باری باری گئے اور وہاں بھی اس طرح تلاشی لی کہ کوٹھریوں میں جا کر جلانے والی لکڑیاں بھی پرے پھینک کر دیکھیں۔ ڈولیاں اور ہانڈیاں بھی الٹی کر کے دیکھیں۔ لیکن کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔

میں نے اگلے دن مخبروں سے رپورٹیں لینی شروع کر دیں۔ جیسا کہ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ تھانے کے مخبروں میں چند ایک معزز ین حضرات بھی تھے۔ یہ سراغ تو مجھے کوئی بھی نہ دے سکا کہ چوری کس نے کی ہو گی۔ البتہ غفور کے خاندان کے متعلق بہت کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ لیکن یہ معلومات مجھے اس واردات کی تفتیش میں ذرا بھی مدد نہیں دے سکتی تھیں۔ سب نے یہی بتایا کہ یہ خاندان اپنی امیری کی نمائش کرتا رہتا ہے۔ ان کی دونوں لڑکیوں کے چال چلن کے متعلق کسی نے اچھی بات تو نہ کی لیکن کوئی یہ بھی نہ بتا سکا کہ ان کے کسی کے ساتھ غلط قسم کے تعلقات ہیں۔ میں نے اپنے مخبروں سے اپنی ضرورت کے مطابق معلومات لینے کی کوشش کی لیکن مجھے کام کی کوئی بات معلوم نہ ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے کوء زیادی محنت بھی نہ کی۔ یہ قتل کا کیس تو تھا نہیں کہ میں اس خاندان کے چال چلن اور اخلاق اور ان لوگوں کی دوستیوں اور دشمنیوں کی

تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ میں یہی سمجھ سکا کہ دولت کی نمائش کرتے کرتے یہ لوگ اپنے زیور کی ان دو چار چیزوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اگر یہ واردات ڈکیتی یا نقب زنی کی ہوتی تو میں قیامت کھڑی کر دیتا۔

دس گیارہ دن گزر گئے۔ میرا اے ایس آئی واپس آ گیا۔ اس کی صحت ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے اس کیس کی فائل اسے دے کر کہا کہ اپنی صحت دیکھ کر اس کیس کو بھی دیکھتا رہے۔

ان دس گیارہ دنوں میں غفور دو یا تین دفعہ میرے پاس آیا۔ اس نے ہر بار یہ کہنے کی بجائے کہ میں تفتیش ذرا تیزی سے کروں یہ کہا کہ وہ خود جو خفیہ تفتیش کر رہا ہے وہ کچھ کچھ کامیاب ہوتی نظر آ رہی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کامیابی سے اس کا کیا مطلب ہے۔

''ابھی نہیں''...... اس نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا ''ایک گھر پر شک ہے۔ میں نے اپنے جاسوس چھوڑے ہوئے ہیں۔ شک ذرا پکا ہو جائے تو آپ کو بتاؤں گا۔ تب آپ چھاپہ ماریں گے تو مجھے سولہ آنے یقین ہے کہ آپ کو کامیابی ہو گی''۔

وہ جب آخری بار میرے پاس آیا تھا اس سے چار پانچ روز بعد وہ پھر آیا۔

''**ملک صاحب!**''...... اس نے بڑے پختہ اور شگفتہ لہجے میں کہا...... ''ایک گھر پر چھاپہ مارنا ہے۔ ہمارا مال اس گھر میں ہے''۔

''میں کس بنا پر چھاپہ ماروں گا؟''...... میں نے کہا...... ''میں اس لیے تو کسی کے گھر چھاپہ نہیں ماروں گا کہ ایک آدمی نے آ کر کہا ہے کہ فلاں کے گھر چھاپہ مارو۔ مجھے کوئی ثبوت کوئی شہادت چاہیے''۔

''میرے بڑے پکے جاسوس نے مجھے اطلاع دی ہے''...... غفور نے کہا

''غفور بھائی!''...... میں نے جھنجھلا کر کہا...... ''تھانے میں کھیل تماشہ نہ کرو۔

یہاں ہر حرکت اور ہر کارروائی کاغذوں میں لکھنی پڑتی ہے۔ پہلے اپنی شہادت لے آؤ۔ اس سے نہ جانے کیا کچھ پوچھوں گا۔ جب تک مجھے یقین نہیں ہو جائے گا کہ چھاپہ مارنا ضروری ہے میں تھانے سے باہر نہیں نکلوں گا۔ جائیں پہلے شہادت لے آئیں''۔

''ملک صاحب!'' ......غفور نے کہا...... ''سارا شہر کیا ہندو کیا مسلمان ہمارے کاندان کی بات کو رد نہیں کرتا۔ آپ تو مجھ پر اعتبار ہی نہیں کر رہے۔ میں آپ کو پکے چور کے گھر لے جا رہا ہوں''۔

''معلوم ہوتا ہے آپ کا دماغ کچھ زیادہ ہی خراب ہے'' میں نے کہا...... ''میں شہر کا آدمی نہیں ہوں میں پولیس کا آدمی ہوں۔ میں ہندو ہوں نہ مسلمان میں تھانیدار ہوں۔ میں جو کہتا ہوں وہ کریں۔ شہادت لائیں میری تسلی کریں۔ اگر چھاپے کے بعد مجھے پتا چلا کہ آپ نے کسی عداوت کی بنا پر اس گھر پر چھاپہ مروایا ہے تو قانون کی ایسی دفعہ موجود ہے جس کے تحت میں آپ کو گرفتار کر کے دو سال سزا دلا سکتا ہوں''۔

وہ چلا گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ اس کی نوکرانی شفو تھی۔

''یہ لیں ملک صاحب!'' ......غفور نے کہا...... ''یہ ہے میری مخبر اور جاسوس۔ اس کا بیان لے لیں اور کارروائی کریں''۔

''کیوں شفو!'' ......میں نے کہا...... ''کیا بات ہے؟''

''ہمارے محلے میں ایک بیوہ عورت رہتی ہے'' ......شفو نے اپنا بیان اس طرح دیا...... ''اس کا نام زلیخا ہے۔ اس کے خاوند کو مرے چار پانچ سال ہو گئے ہیں۔ اس کا پانچ چھ سال کا ایک بچہ بھی ہے۔ وہ گھر میں بچے کے ساتھ اکیلی رہتی ہے۔ میں اس کے گھر جاتی رہتی ہوں۔ کل گئی تو وہ چارپائی پر رکھی ہوئی کوئی چیز

دیکھ رہی تھی۔ دروازے کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ میں ننگے پاؤں تھی۔ اس اس وقت پتہ چلا کہ میں آئی ہوں جب میں اس کے قریب جا کر رک گئی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا تو جلدی سے اس چیز پر بیٹھ گئی جسے وہ دیکھ رہی تھی۔ میں وہ چیز دیکھ چکی تھی۔ ایک تو وہ ہار تھا جو چوہدری غفور کے گھر سے چوری ہوا ہے۔ دو کڑے تھے میں ان دونوں چیزوں کو بہت اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ میں نے اس سے نہ پوچھا کہ اس نے یہ چیزیں مجھ سے چھپا کیوں لی ہیں۔ مجھے تو معلوم تھا کہ یہ چوری کا مال ہے......

''وہ چارپائی پر بیٹھی تھی۔ میں فرش پر بیٹھ گئی۔ وہ بھی چوہدریوں کی ذات کی عورت ہے۔ ادھر ادھر کی ایک دو باتیں کر کے اس نے مجھے کہا کہ پانی پلا دو۔ میں گھڑوں کی طرف گئی لیکن میری نظر پیچھے تھی۔ وہ فوراً اٹھی اور اندر چلی گئی۔ میں جانتی تھی کہ وہ چوری کی یہ چیزیں کہیں چھپانے کے لیے اندر چلی گئی ہے۔ میں نے بڑی تیزی سے گھڑے سے پیالے میں پانی ڈالا اور بہت تیز تیز اندر چلی گئی۔ وہ بڑے کمرے کے ساتھ والی کوٹھڑی یں تھی۔ میں نے کہا......لو بی بی! پانی پی لو......اور میں اس تک جا پہنچی۔ اس نے کہا وہیں رکھو میں آتی ہوں۔ لیکن میں کوٹھڑی میں داخل ہو چکی تھی۔ میں نے دیکھا کہ کوٹھڑی کے ایک کونے میں ایک نئی ہانڈی رکھی تھی۔ اس کے اوپر ایسی ہی نئی ہانڈیاں پڑی تھیں۔ مٹی کی دو پھولدار ڈولیاں نیچے پڑی تھیں۔ ان دونوں کو اٹھا کر اس نے ہانڈیوں کے اوپر رکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے چوری کی چیزیں نیچے والی ہانڈی میں چھپا کر رکھی تھیں......

''وہ میرے ساتھ ہی آ گئی اور کہنے لگی کہ چوہدریوں کی چوری کا کچھ بنا ہے؟ میں نے کہا کہ پولیس اندر اندر لگی ہوئی ہے۔ ابھی کچھ ظاہر نہیں ہوا۔ اس نے افسوس کیا کہ ان کا اتنا نقصان ہو گیا ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ لوگ کس پر

شک کرتے ہیں؟ میں نے اسے بتایا کہ وہ بے چارے تو کسی پر بھی شک نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں بہت دیا ہے یہ دو تین چیزیں بھی کوئی لے گیا ہے خدا اسے نصیب کرے......

''میں نے اسے ظاہر نہ ہونے دیا کہ میں نے چوری کا مال دیکھ لیا ہے۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے میں وہاں سے آگئی اور سیدھی ان چوہدریوں کی حویلی میں پہنچ گئی۔ چوہدری غفور گھر می تھے۔ میں نے جب انہیں بتایا کہ میں نے ان کی چیزیں زلیخا کے گھر میں دیکھی ہیں تو انہوں نے الٹا مجھے برا بھال کہنا شروع کر دیا کہ میں ایک شریف اور اونچے خاندان کی عورت کو بدنام کر رہی ہوں۔ انہیں جب میری بات پر یقین آ گیا تو سارے گھر کو چپ لگ گئی۔ کوئی بھی نہیں مان سکتا کہ چوری زلیخا نے کی ہے۔ یہ سب کہتے تھے کہ تھانے والوں کو پتہ نہیں چلنے دیں گے۔ آگے مجھے پتہ نہیں کہ انہوں نے آپس میں کیا صلاح مشورہ کیا ہے۔ آج صبح چوہدری غفور نے مجھے کہا کہ تھانے چلو اور جو تم نے دیکھا ہے وہ تھانیدار کو بتا دینا''

☆☆☆

وہ چیخنے چلانے لگی

''کیوں غفور بھائی''میں نے غفور سے پوچھا......''یہ عورت کون ہے اور کیسی ہے؟''

''کیا بتاؤں ملک صاحب!''......چوہدری غفور نے رنجیدہ لہجے میں جواب دیا......''اپنی ذات اور اپنی برادری کی عورت ہے۔ جوانی میں بیوہ ہوگئی ہے۔ اس کے دو جوان بھائی ہیں۔ اپنی حویلی ہے لیکن بیوہ ہوکر خاوند کے گھر میں رہی۔ اپنے بھائیوں کے پاس نہ آئی۔ اس نے اپنے خاوند کو ایسا گانٹھ رکھا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ سے الگ ہوگیا تھا۔ بڑا اچھا مکان ہے۔ بزرگوں نے اسے کہا کہ وہ دوسرے شادی کر لے لیکن وہ نہیں مانی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ اکیلی نہ رہے اپنے بھائیوں کے پاس چلی جائے۔ اس کی صرف ماں زندہ ہے۔ اس کا باپ مر چکا ہے''۔

''کیا آپ کے گھر میں اس کا آنا جانا لگا رہتا ہے؟''

''ہاں جی!''......چوہدری غفور نے کہا......''آتی رہتی ہے''۔

''چال چلن کی کیسی ہے؟''

''ایسی ویسی ہی ہے''......غفور نے جواب دیا......''ایسی بھی نہیں کہ ہر کسی کے ساتھ جھک مارتی رہے۔ لیکن ہم اسے شریف عورت بھی نہیں کہہ سکتے''۔

وہ امیر تھی یا غریب اونچی ذات کی تھی یا نیچ ذات کی شریف تھی یا بدمعاش چوری ایک ایسا فعل ہے جو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ آج کل آپ نے امیروں اور بڑے بڑے افسروں کے لڑکوں کو چوریاں کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ اخباروں میں خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ مجھے صرف اس یقین کی ضرورت تھی کہ چوری کا مال اس کے گھر میں ہے۔ میں نے یہ یقین کرلیا اور اسی وقت اس عورت کے گھر کی تلاشی لینے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے دو تین آدمیوں کو ساتھ لیا۔

''ملک صاحب!''......راستے میں غفور چلتے چلتے رک گیا اور کہنے لگا ......''میں آپ کے ساتھ اس عورت کے گھر تک نہ جاؤں تو اچھا ہے۔عورت خواہ کیسی بھی ہے آخر ہماری ذات برادری کی ہے۔وہ بھی کہے گی اور برادری والے بھی کہیں گے کہ میں نے اسے پکڑوا دیا ہے۔شفو بھی آپ کے ساتھ نہ جائے تو اچھا ہے۔

''نہیں چوہدری!''......میں نے اسے کہا......''آپ بے شک چلے جائیں ۔شفو کو میں ساتھ رکھوں گا کیونکہ مجھے کاغذوں میں لکھنا ہے کہ نشاندہی کس نے کی تھی''۔

''ہاں شفو''......غفور نے کہا......''تم ملک صاحب کے ساتھ چلی جاؤ اور جو یہ کہیں ویسے ہی کرنا''۔

میں شفو کو ساتھ لے کر اس عورت کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔جس کا نام زلیخا بتایا گیا تھا۔محلے کے دو آدمیوں کو مشیر کے طور پر بلا لیا۔پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک اچھی خاصی خوبصورت عورت باہر آئی جس کی عمر تیس سال سے کچھ کم ہی ہو گی۔وہ چال ڈھال لباس اور چہرے مہرے سے اچھے خاندان کی عورت معلوم ہوتی تھی۔میں اکیلا اندر گیا اور اس عورت کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ڈیوڑھی میں ایک طرف لے گیا۔

''تمہارا نام زلیخا ہے؟''......میں نے پوچھا۔

اس نے اس طرح ہاں کہی جیسے انتہائی خوف کے عالم میں اس کے منہ سے ویسے ہی کوئی آواز نکل گئی ہو۔

''زلیخا!''......میں نے بڑی آہستہ سے اسے کہا......''تھوڑا سا وقت اور ہے ۔پھر یہ وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔وہ زیور مجھے دے دو۔میں پوری کوشش کروں گا کہ چوہدری غفور اور اس کے ماں باپ زیور لے کر چپ ہو جائیں۔پھر

میں کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔تم بہت بڑی ذلت سے بچ جاؤ گی۔

اس کی ایسی حالت ہوئی جیسے وہ بیہوش ہو کر گر پڑے گی۔

''زلیخا!''......میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا......''پولیس ابھی باہر کھڑی ہے۔میں کسی کو اندر نہیں آنے دوں گا۔میں کہہ رہا ہوں ابھی وقت ہے''۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''......وہ آخر بولی......''آپ کون سے زیور کی بات کرر ہے ہیں؟''

''اس کا مطلب یہ ہے''......میں نے کہا......''کہ میں وہ زیور خود تمہارے گھر سے برآمد کروں جس کی میں بات کرر ہا ہوں۔چوہدریوں کی نوکرانی شفو بھی میرے ساتھ ہے''۔

''وہ بدمعاش عورت؟''......اس کی آواز میں یکلخت جان آ گئی کہنے لگی......''میں سمجھ گئی ہوں کہ مجھ پر کیسا جال پھینکا جا رہا ہے......تم اس بدکار عورت کی باتوں میں آ کر مجھے بے عزت کرنے آ گئے ہو۔ذرا ٹھہر جاؤ۔میں اپنے بھائیوں اور برادری کے دو تین آدمیوں کو بلا لو......وہ چل پڑی۔

میں نے اسے روک لیا اور شفو کو اندر بلا لیا۔

''شفو!''......میں نے اسے کہا......''تم نے وہ چیزیں کہاں دیکھی تھیں؟''

شفو نے وہی بیان دیا جو اس نے مجھے تھانے میں دیا تھا ذرا مختصر کرکے زلیخا کے سامنے سنا دیا۔زلیخا نے انتہائی غصے کے عالم میں اسے گالیاں دینی شروع کر دیں۔میں نے مشیروں کو جو اسی محلے کے دو معزز آدمی تھے اندر بلا لیا اور شفو سے کہا کہ وہ ان کے سامنے بیان دے۔میں نے شفو سے بھی کہا کہ اس کی نشاندہی غلط نکلی تو میں اسے یہیں گرفتار کرلوں گا۔

شفو نے وہی بیان ایک بار پھر دیا۔زلیخا نے بڑی زور زور سے رونا شروع کر

دیا۔ شفو کی نشاندہی پر میں مشیروں کے ساتھ اندر چلا گیا۔ زلیخا کا میں نے بازو پکڑ رکھا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ کوٹھڑی تک چلی گئی۔ میں نے زلیخا سے کہا کہ وہ خود یہ ڈولیاں اور ہانڈیاں ہٹا کر مجھے دکھائے۔

''لو دیکھ لو!''...... اسنے اوپر والی ڈولی اٹھا کر میرے آگے کر دی۔

میں نے اس ڈولی میں دیکھا۔ خالی تھی۔ اسے میں نے الگ رکھ دیا۔

''لو یہ بھی دیکھ لو''...... اس نے ایک اور پھولدار ڈولی کو اٹھا کر یوں میرے آگے کی جیسے یہ ڈولی میرے سر پر مارنا چاہتی ہو۔

میں نے دیکھا یہ بھی خالی تھی۔

''یہ بھی دیکھ لو''...... زلیخا نے ایک ہانڈی میرے آگے کی۔

اس میں بادام پڑے تھے۔ میں نے بادام فرش پر گرا دیے وہاں اور کچھ نہیں تھا۔

زلیخا آخری ہانڈی کے لیے جھکی تو یوں پیچھے ہٹی جیسے ہانڈی میں سانپ بیٹھا ہوا ہو۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس کے چہرے پر کیسا تاثر آ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے ڈھیلے باہر آنے کو آ گئے۔ اس کے چہرے کا اتنا اچھا رنگ ایسا اڑا جیسے اسے سیاہ دھوئیں کی تپش لگی ہو۔ ایسی حالت میں رنگ پیلا پڑ جاتا ہے لیکن اس کا رنگ سانولا ہو گیا تھا۔ حیرت سے انسان کا منہ ذرا سا کھل جاتا ہے لیکن زلیخا کا منہ اس طرح کھلا کہ اس کے سارے دانت نظر آنے لگے جو قہر اور غصے کی علامت تھی۔ کبھی وہ مجھے دیکھتی اور کبھی شفو کو۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ ہمیں کھا جائے گی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ اس نے اچانک آسمان کی طرف دیکھا اور ہاتھ پھیلا دیے۔

''اللہ انصاف کرے گا''...... اس نے کہا اور سب سے مخاطب ہو کر چلائی...... ''یہ دیکھو لوگو! یہ ظلم...... آگے ہو کر دیکھو۔ یہ زیور میرا نہیں''...... اس

نے بازو شفیع کی طرف لمبا کر کے انگلی سے اشارہ کیا ''یہ اس حرامزادی نے رکھا ہے۔ میں چوہدری غفور کی بات نہیں مانتی اس نے میرے ساتھ یہ ہاتھ کیا ہے''۔

میں نے آگے ہو کر ہانڈی میں دیکھا۔ وہاں ایک ہار اور دو کڑے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے مشیروں سے کہا کہ وہ بھی آگے ہو کر دیکھیں۔

''گھبراؤ نہیں زلیخا!''...... میں نے کہا...... ''انسان سے غلطی ہو جاتی ہے ...... یہ زیور تمہارا نہیں!''

''نہیں نہیں نہیں......زلیخا نے چیخ کر کہا...... ''نہ یہ چیزیں میری ہیں نہ میں نے رکھی ہیں''۔

میں نے یہ چیزیں نکالیں اور زلیخا کے گھر میں بیٹھ کر برآمدگی کا مشیر نامہ تیار کیا اور دونوں مشیروں کے دستخط کرائے۔ میں نے بڑی مشکل سے مشیر نامہ لکھا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ زلیخا میرے سر پر چڑیلوں کی طرح چیخ چلا رہی تھی۔ اس کا بچہ الگ کھڑا رو رہا تھا۔ ماں بیٹے کا رونا مجھے میرے کام سے نہ روک سکا۔ میں نے زلیخا کو ساتھ لیا اور تھانے کو چل پڑا۔

☆☆☆

زیور تو مل گیا مگر......

پولیس جہاں جائے وہاں لوگ تو اکٹھے ہو ہی جاتے ہیں لیکن میں زلیخا کو ساتھ لے کر اسے کے محلے سے گزر رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ محلے کے جو آدمی باہر کھڑے ہیں اور جو عورتیں اپنے دروازوں میں کھڑی ہیں'ان کا انداز تماشائیوں والا نہیں۔ ان کے چہروں پر میں نے حیرت اور شاید افسوس بھی دیکھا۔ تھانے پہنچا ہی تھا کہ ان لوگوں کا ردعمل واضح ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ دو معزز آدمی تھانے میں آئے ۔ ان میں سے ایک کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ صاحب حیثیت بزرگ تھا۔ اسکا اثر ورسوخ بھی تھا اور اس کی شرافت اور انسان دوستی مشہور تھی ۔ اس کی تعظیم کے لیے میں اسے آگے جا کر ملا۔ اس کے ساتھ جو آدمی تھا وہ بھی معمر اور معزز تھا۔

''ملک صاحب!''......میری جان پہچان کے بزرگ نے کہا......''میں آپ کے کام میں مداخلت کرنے نہیں آیا۔ اپنا فرض ادا کرنے آیا ہوں ۔معلوم ہوا ہے کہ آپ اس عورت کو چوری کے الزام میں پکڑ لائے ہیں ۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ کسی کے کہنے میں نہ آنا۔ یہ عورت چور نہیں ہو سکتی''۔

''چوری کا مال اس کے گھر سے برآمد ہوا ہے مہر صاحب''!......میں نے کہا۔

''آپ بہتر جانتے ہیں ملک صاحب!''......دوسرے آدمی نے کہا......''یہ غلط فہمی ہے یا کوئی شرارت یہ خاتون کسی کی محتاج نہیں ۔ اس کا اپنا مکان ہے۔ خاوند کی زمین ہے ۔ ایک مکان کرائے پر چڑھا ہوا ہے۔ اس کے دو بھائی ہیں ۔ وہ اسے الگ دیتے ہیں ۔ یہ تو غریبوں مسکینوں کی مدد کرنے والی عورت ہے''۔

''ہمارا مطلب ہے کہ تفتیش ذرا......''مہر صاحب کہتے کہتے جھجک گئے ۔

''تفتیش ذرا دیانتداری سے کروں''......میں نے ہنستے ہوئے اس کا فقرہ پورا کر دیا اور کہا......''مہر صاحب ! آپ نے مجھ پر کرم کیا ہے کہ ایک اشارہ

دے دیا ہے۔ میں آپ سے کچھ اور نہیں پوچھوں گا آپ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں ۔دودھ اور پانی الگ الگ کر دوں گا“۔

”یہ بھی خیال رکھیں کہ شفو ٹھیک عورت نہیں“...... مہر صاحب نے کہا۔

”اور چوہدری غفور کیسا آدمی ہے؟“

”اللہ اسے معاف کرے“...... مہر صاحب نے کہا...... ”میں غیبت کے لیے نہیں آیا۔بس اتنی دعا کرتا ہوں کہ چوہدری غفور کو اللہ معاف کرے“۔

وہ دونوں مجھ سے ہاتھ ملا کر چلے گئے۔رشوت تو دور کی بات ہے میں نے کبھی کسی کی سفارش بھی قبول نہیں کی تھی۔لیکن مہر عبدالقدیر کے یہ اشارے میرے ذہن میں بیٹھ گئے۔اس بزرگ نے سفارش نہیں کی تھی۔ یہ بزرگ میرا مخبر بھی نہیں تھا۔میں نے سوچا کہ ضرورت پڑی تو کبھی رات کر واس کے گھر جا کر پوری بات معلوم کرلوں گا۔

میرے لیے مشکل یہ تھی کہ چوری کا مال زلیخا کے گھر سے برآمد ہوا تھا۔میں نے چوہدری غفور اور اس کے باپ کو زیور کی شناخت کے لیے بلا بھیجا تھا۔وہ آ گئے اور ان کے پیچھے دو جواں سال آدمی آئے۔وہ سیدھے میرے پاس آئے۔ وہ زلیخا کے چھوٹے بھائی تھے۔ایک کی عمر بائیس تیئس سال تھی اور دوسرے کی سترہ اٹھارہ سال۔دونوں خوبصورت نوجوان تھے۔ان کے لباس اور انداز سے پتہ چلتا تھا کہ خوشحال خاندان کے ہیں۔

انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں ان کی بہن کو کس جرم میں پکڑ کر لایا ہوں۔ میں نے انہیں بتایا تو غصے سے وہ پھٹنے لگے لیکن انہوں نے میرے ساتھ بدتمیزی یا گستاخی کی کوئی بات نہ کی۔

”صرف ایک عرض کروں گا جناب!“...... بڑے نے کہا...... ”ہماری بہن کے ساتھ بدسلوکی نہ ہو۔آپ کی نظروں میں یہ چور ہے لیکن ہماری بہن ہے“۔

''آپ کو اور کچھ کہنا بے کار ہے''...... چھوٹے نے کہا...... ''آپ انسپکٹر ہیں آپ اپنی کارروائی کریں گے اور ہماری بہن کو اپنی بہن کبھی نہیں سمجھیں گے لیکن انسپکٹر صاحب جس کسی نے بھی ہماری بہن کو اس ذلت میں ڈالا ہے اس کا خاندان اسے باقی عمر ڈھونڈتا رہے گا''۔

میں ان کے ساتھ بات کرنا چاہتا تھا لیکن ابھی قبل از وقت تھا۔ زلیخا سے پوچھ گچھ سب سے پہلے کرنی تھی۔ میں نے ان دونوں کو تسلی دی کہ ان کی بہن کے ساتھ میری کوئی دشمنی نہیں، میں اس کے ساتھ بدسلوکی نہیں کروں گا۔

غفور اور اس کا باپ آ گئے تھے۔ زیور کی شناخت کے لیے میں انہیں اپنے دفتر میں لے گیا۔ غفور نے ہار اور کڑے دیکھ کر کہا کہ اس کی بہن کا زیور ہے۔ اس نے دو انگوٹھیوں کے متعلق پوچھا لیکن انگوٹھیاں برآمد نہیں ہوئی تھیں۔

اس کے باپ نے ہار اٹھا کر دیکھا۔ پھر جیب سے عینک نکال کر آنکھوں پر رکھی اور ہار کو پھر کڑوں کو اور زیادہ غور سے دیکھا۔

''غفورا!''...... اس نے اپنے بیٹے سے کہا...... ''اچھی طرح دیکھ۔ ہار اور کڑے وہی لگتے ہیں۔ ساخت نمونہ اور سب کچھ ویسا ہی ہے لیکن یہ اس قسم کا سونا نہیں لگتا...... اس کی چمک دمک کچھ اور ہے''۔

''وہی ہیں ابا جان!''...... باپ نے کہا...... ''یہ چیزیں میں نے اور تیری ماں نے دو سال ہوئے بنوائی تھیں''...... اس نے دونوں کڑوں کو ہاتھ میں تولتے ہوئے کہا...... ''ان کا وزن بھی وہ نہیں لگتا''۔

باپ اور بیٹے میں بحث چل پڑی۔ غفور نہیں مان رہا تھا۔ باپ اپنے شک پر نہیں ہٹ رہا تھا۔ وہ یہی کہے جا رہا تھا کہ نمونہ اور ساخت وہی ہے لیکن کچھ فرق ہے۔ میں ایسی شناخت کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا جس میں گھر کا ایک اہم فرد کہہ رہا تھا کہ اسے شک ہے۔ میرے پوچھنے پر غفور کے باپ نے بتایا کہ دو سال گزرے،

س نے اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو ساتھ لے جا کر قصبے کے ایک سنار سے یہ دونوں چیزیں بنوائی تھیں۔

قارئین کو شاید معلوم ہوگا کہ ذرا شک پر عدالت قاتل کو بھی بری کر دیا کرتی ہے۔ جسے شک کا فائدہ دینا کہتے ہیں یہ تو معمولی سی چوری کا کیس تھا۔ پھر بھی مجھے اپنا شک رفع کرنا تھا۔ میں نے ایک کانسٹیبل سے کہا کہ وہ غفور کی ماں اور دونوں بہنوں کو تھانے میں لے آئے۔ غفور نے کہا کہ وہ خود جا کر انہیں لے آئے گا لیکن میں نے اسے نہ جانے دیا کیونکہ وہ انہیں جا کر کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کی شناخت کی تائید کریں۔ ہر ایک کی آزادانہ رائے ضروری تھی۔

غفور کے باپ سے سنار کا نام پتہ پوچھ کر ایک کانسٹیبل کو بھیجا کہ اسے تھانے لے آئے۔ وہ چھوٹا سا ایک قصبہ تھا جس میں سناروں کی سات آٹھ دکانیں تھیں۔

☆☆☆

یہ روحوں کا ملاپ تھا

غفور کی ماں اور دونوں بہنیں کانسٹیبلوں کے ساتھ آ گئیں۔ میں نے ہار اور دونوں کڑے کو ان کے سامنے رکھ کر پوچھا کہ یہی وہ چیزیں ہیں جو تمہارے گھر سے گم ہوئی ہیں؟ ماں نے پہلے ہار اپنے ہاتھ میں لیا۔ پھر دوسرے ہاتھ میں دونوں کڑے اٹھائے۔ میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اگر یہ چیزیں ان کی ہوتیں تو وہ فوراً پہچان لیتیں لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اس نے دونوں چیزیں بڑی بیٹی کے ہاتھ میں دے دیں۔

''نہیں ماں جی!''...... بڑی بیٹی نے ہار ہاتھ میں لیتے ہی کہا...... ''لگتا وہی ہے لیکن اس کا وزن زیادہ ہے اور یہ اس سے زیادہ چمکدار ہے''۔

غفور کی چھوٹی بہن نے کڑے اٹھا لیے انہیں اچھی طرح دیکھ کر اس نے سر ہلا دیا۔

''تھانے میں آ کر تم سب کا دماغ خراب ہو گیا ہے''......غفور نے اپنی ماں اور بہنوں سے کہا...... ''تم اپنی چیزیں بھی نہیں پہچان سکتیں''۔

''تم یہ چیزیں کبھی کبھی دیکھتے ہو''......ماں نے غفور سے کہا......''میری بیٹی انہیں روز پہنتی ہے۔ ہم خواہ مخواہ کیوں کہہ دیں کہ یہ چیزیں ہماری ہیں۔ کوئی غنڈہ بدمعاش پکڑا جاتا تو اور بات کچھ اور تھی۔ یہاں تو اپنی برادری کی عزت دار عورت تھانے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ میں تو سوچ سمجھ کر بات کروں گی''۔

''مجھے یہ بتائیں کہ آپ لوگوں کا فیصلہ کیا ہے''...... میں نے ان سے پوچھا...... ''کیا میں سمجھوں کہ یہ چیزیں آپ لوگوں کی نہیں''۔

''ملک صاحب!''......غفور کے باپ نے پوچھا...... ''کیا ہم اس سنار کا انتظار نہ کر لیں؟''

سنار آ چکا تھا۔ اس کی دکان قریب ہی تھی۔ میں نے اسے اندر بلا لیا۔ ہار اور

کڑے اسے دکھا کر کہا کہ ان لوگوں نے یہ چیزیں اس سے بنوائی تھیں۔اس نے کہا کہ اسے اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے یہ زیور اس سے بنوایا تھا بلکہ اس نے دکانداروں کی طرح خوشامد کے لہجے میں کہا کہ اس خاندان کا زیور وہی بنایا کرتا ہے۔اس نے کچھ تعریفی جملے بھی کہہ دیے''۔

''کیا یہی وہ چیزیں ہیں جو تم نے ان کے لیے بنائی تھیں؟''...... میں نے سنار سے پوچھا۔

اس نے ہار اور کڑے اپنے ہاتھ میں لیے اور ایک نظر دیکھتے ہی بول پڑا۔

''نہیں حضور!''......سنار نے کہا......''نمونہ وہی ہے لیکن یہ چیزیں سونے کی نہیں۔ان پر تو سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔حکم ہو تو آپ کو ابھی دکھا دیتا ہوں''۔

میرے کہنے پر اس نے پہلے ایک کڑا فرش پر رگڑا پھر دوسرا رگڑا۔پھر ہار کا ایک حصہ فرش پر رگڑا اور یہ چیزیں میرے آگے رکھ دیں۔رگڑ والی جگہ سفید نکل آئی تھی۔

''یہ تو صحیح چاندی بھی نہیں''......سنار نے کہا......''چاندی میں الا بلا ملا کر وہی نمونہ تیار کیا گیا اور اس پر پانی چڑھا دیا گیا ہے''۔

''اب کہیں چوہدری صاحب!''......میں نے غفور کے باپ سے پوچھا......''کیا یہ چیزیں وہی ہیں جو آپ کے گھر سے چوری ہوئی ہیں؟......کیوں چوہدری غفور آپ بھی کچھ بولیں''۔

میں نے غفور کے چہرے پر بڑی صاف تبدیلی دیکھی۔میں سمجھا کہ اسے افسوس ہو رہا ہے کہ اسے چوری کا مال نہیں ملا اور جس چور کو پکڑا گیا ہے وہ ان چیزوں کا چور نہیں۔سب نے باری باری کہہ دیا کہ یہ چیزیں ان کی نہیں۔ میں نے ان سب کو یہ کہہ کر باہر بھیج دیا کہ باہر جا کر بیٹھیں۔مجھے شاید ان کی ضرورت پڑے گی۔سنار کو میں نے فارغ کر دیا۔اس کی مجھے ضرورت نہیں تھی۔

میں نے زلیخا کو اندر بلایا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کے قدم بھی نہیں اٹھتے تھے اور رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ اس کا بچہ اس کے ساتھ تھا۔ مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ اس خاتون کے خلاف الزام ثابت نہیں ہوا۔ میں نے اسے بیٹھنے کو کہا اور اسے خوش کرنے کے لیے میں نے اس کے بچے کو اپنے پاس بلایا اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس سے کچھ پیار بھی کیا۔

''میری قسمت میں اب کیا لکھا ہے؟''...... زلیخا نے سسکیوں کے لہجے میں پوچھا...... ''یہ عورتیں میرے متعلق کیا کہتی ہیں؟''

''معلوم ہوتا ہے تمہاری قسمت اچھی ہے''...... میں نے کہا...... ''یہ زیور جو تمہارے گھر سے برآمد ہوا ہے یہ ان کا نہیں اور سونے کا نہیں''۔

جو سوال میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا اس نے مجھ سے پوچھ لیا...... ''مجھے کون بتائے گا کہ یہ چیزیں میرے گھر میں کس طرح پہنچ گئی تھیں؟''

''اس سوال کا جواب میں تو نہیں دے سکتا...... میں نے کہا...... ''انہوں نے تو کہہ دیا ہے کہ یہ چیزیں ان کی نہیں...... پھر یہ کس کی ہیں؟ کیا تمہاری نہیں؟''

''اگر یہ میرا زیور ہوتا تو کیا میں انہیں کوٹھڑی میں سب سے نیچے والی ہانڈی میں چھپا کر رکھتی؟''...... اس نے کہا...... ''میرا تمام زیور ٹرنک میں رکھا ہے...... معلوم ہوتا ہے مجھ پر کوئی جال پھینکا گیا ہے اور یہ کام شفو کا ہے۔

اگر ایسا ہی تھا تو یہ میرے لیے یا پولیس کے کسی بھی آدمی کے لیے نیا یا عجیب واقعہ نہیں تھا۔ دشمن ایک دوسرے کو پھنسانے کے لیے اس قسم کی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔ اپنے تجربے اور مشاہدے کے پیش نظر میں نے فوراً مان لیا کہ اس عورت پر جال پھینکنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس کا ایسا دشمن کون ہے جس نے ایسا خطرناک اور اوچھا وار کیا ہے''۔

''اگر آپ سے انصاف کی امید ہو تو پوری بات سناؤں؟''...... زلیخا نے

کہا۔۔۔۔۔ ''ابھی تو آپ مجھے چور سمجھ رہے ہیں''۔

''یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تم چور نہیں ہو''۔۔۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔۔۔ ''اب یہ دیکھنا میرا فرض ہے کہ تمہارے ساتھ یہ دھوکہ کس نے کیا ہے۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ یہ دھوکہ مجھے بھی دیا گیا ہے اور پولیس کو دھوکہ دینا اور کسی بے گناہ کو جھوٹی شہادت کی بنا پر مجرم ثابت کرنے کی کوشش کرنا جرم ہے۔ تم انصاف کی بات کرتی ہو؟ میں تو اس شخص کو کم از کم دو سال سزا دلاؤں گا جس نے تمہیں اور مجھے دھوکا دیا ہے۔ مجھے پوری بات سناؤ۔ تم نے شفو پر شک کیا ہے''۔

''شک والی تو بات ہی کوئی نہیں''۔۔۔۔۔ زلیخا نے کہا۔۔۔۔۔ ''آپ نے مجھے پوری بات کرنے کی اجازت دی ہے تو پھر پوری بات سن لے۔ کچھ عرصے سے غفور میرے پیچھے پڑا ہوا تھا کہ میں اس کے ساتھ شادی کر لوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی اگر کرنی ہوتی تو میں غفور سے کیوں کرتی۔ اس کی پہلے ہی بیوی ہے اور دو بچے ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا۔ میں یہ گناہ اپنے کھاتے میں نہیں لکھنا چاہتی تھی''۔

''یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے زلیخا!''۔۔۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔۔۔ ''ویسے مجھے خیال آتا ہے کہ تمہیں شادی کر لینی چاہیے تھی''۔

اس نے سر جھکا لیا۔ میں خاموشی سے دیکھتا رہا۔ جب اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے بڑی لمبی آہ بھری اور دوپٹے سے آنسو پونچھ ڈالے۔

''میرا اس کی قبر کے ساتھ وعدہ ہے''۔۔۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔۔۔ ''اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکے گا۔ وہ تو اسمانوں سے اترا ہوا فرشتہ تھا اور آسمانوں ہی میں واپس چلا گیا ہے۔ کسی ماں نے ابھی ایسا لال پیدا ہی نہیں کیا جیسا میرے بچے کا باپ تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے خاوند پر معلوم نہیں کتنے تعویز کر رکھے تھے کہ وہ

میرے اشاروں پر چلتا تھا......ایسی بات نہیں تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ میں اس کی جوتیوں کی بھی غلام تھی۔ غفور چوہدری تو اس کے نوکروں کی برابری بھی نہیں کر سکتا۔ مجھے اس سے سو درجے اچھے آدمیوں کے پیغام ملے تھے۔ میری ماں ان سے بھی اچھے رشتے لائی تھی۔ لیکن میرے بچے کے باپ کے ساتھ میری جو شادی ہوئی تھی یہ روحوں کا ملاپ تھا۔ وہ اپنی روح میرے پاس چھوڑ گیا ہے''۔

اس عورت نے بڑی جذباتی باتیں شروع کر دی تھیں۔ تھانے میں اس قسم کی باتیں اس بین کی مانند ہوتی ہیں جو کسی بھینس کے آگے بجائی جاتی ہے۔ ذرا تصور میں لائیں کہ کوئی شاعر تین چار کانسٹیبلوں کو اکٹھا کر کے انہیں تازہ کلام سنائے تو کانسٹیبل اسے کیا داد دیں گے؟ وہ تو اس کے پیچھے پڑ جائیں گے کہ دس دس روپے فی کانسٹیبل دو، تم نے اتنا سرکاری وقت ضائع کیا ہے۔ مجھ میں یہ خامی تھی کہ میں نے تھانیداری سے ہٹ کر اپنے جذبات کو زندہ رکھا ہوا تھا۔ اس کمزوری نے مجھے نقصان پہنچایا ہے لیکن میں چوروں اور دیگر مجرموں کو بھی انسانوں کے ہی روپ میں دیکھتا رہا ہوں۔ اس عورت کا معاملہ تو الگ ہی تھا۔ اس قسم کی عورت کو اس قدر ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ اسے تھانے تک پہنچا دیا گیا۔ وہ جب جذباتی باتیں کر رہی تھی تو میں نے اسے نہ ٹوکا۔ اس طرح کی کچھ اور باتیں کر کے وہ اصل بات پر آئی۔

☆☆☆

لڑکی نے میرے بھائی کو پلید کر دیا

اصل بات یہ تھی کہ چوہدری غفور اس کے پیچھے پڑ گیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ شادی کر لے۔ زلیخا پہلے تو انکار کرتی رہی پھر جب غفور راتوں کو بھی آ کر اسے پریشان کرنے لگا تو زلیخا نے اسے صاف الفاظ میں دھتکار دیا۔ وہ گھر میں اکیلی ہوتی تھی۔ غفور وقت بے وقت آن دھمکتا تھا۔

''میرا خیال ہے زلیخا'' ...... میں نے کہا ...... ''تمہارا اکیلا رہنا تمہاری بدنامی کا باعث بن رہا ہے۔ تمہارے سسرال بھی تمہارے ساتھ ناراض ہوں گے کیونکہ تم نے ان کے بیٹے کو ان سے الگ کر لیا تھا اور اس سے مکان بھی اپنے نام لکھوا لیا تھا''۔

''میرے سسرال'' ...... زلیخا نے کہا ...... ''آپ یقین نہیں کریں گے وہ مجھے اتنا ہی چاہتے ہیں جتنا میری ماں اور اپنے بھائی چاہتے ہیں۔ وہ مجھے اور میرے بچے کو اپنے بیٹے کی نشانی سمجھتے ہیں''۔

''تمہارا سسر تو تھانے آیا ہی نہیں''۔

''وہ بیمار پڑا ہے'' ...... زلیخا نے کہا ...... ''اس کے دونوں بیٹے آئے ہوئے ہیں۔ میں نے انہیں دیکھا ہے میرے بھائیوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں''۔

''ہاں!'' ...... میں نے کہا ...... ''تم غفور کی بات کر رہی تھی''۔

''میں نے آخر اسے کہہ دیا کہ وہ میرے گھر نہ آیا کرے'' ...... زلیخا نے کہا ...... ''اس نے میرے ساتھ ایک سودا کرنے کی کوشش کی۔ بات یہ ہے کہ میرا بھائی غفور کی بہن کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے''۔

''کون سی بہن''۔

''بڑی!'' ...... زلیخا نے جواب دیا ...... ''جس کا زیور چوری ہوا ہے۔ ان کی آپس میں در پردہ ملاقاتیں بھی ہوتی ہیں۔ لڑکی کو تو میرے بھائی پر مرتی ہے۔

اسی وجہ سے میرے پاس آتی رہتی ہے''۔

''یعنی محبت ہے''۔

''محبت کہہ لیں''...... زلیخا نے کہا...... ''لیکن یہ محبت پاک نہیں ہے مجھے شک ہے کہ لڑکی نے میرے بھائی کو پلید کر دیا ہے...... وہ تو بڑا چھچھورا اور اوچھا خاندان ہے۔ میرا بھائی میری منتیں کرتا ہے کہ میں اس لڑکی کا رشتہ اس کے لیے مانگوں۔ میری ماں مان گئی ہے لیکن میں نہیں مانتی۔ میں نے بھائی سے کہا ہے کہ وہ اس لڑکی کی خوبصورتی پر نہ جائے۔ شادی کر کے وہ وفادار نہیں رہے گی۔ دراصل یہ لوگ مجھے ذرا بھی اچھے نہیں لگتے۔ میں اس خاندان کی لڑکی اپنے خاندان میں نہیں آنے دوں گی''۔

اس کے انکشاف نے کہ اس کے بھائی اور غفور کی بہن ایک دوسرے میں تعلقات ہیں' مجھے ذرا چونکایا۔ یہ میرے کام کی بات تھی۔ مجھے شک ہوا کہ زیورات کی چوری ایک ناٹک ہے جو کسی خاص مقصد کے لیے کھیلا گیا ہے۔ میں نے ارادہ کرلیا کہ یہ ناٹک کھیلنے والے کو نہیں بخشوں گا۔ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے یا کسی شرارت کے تحت پولیس کو دھوکے میں استعمال کرنا معمولی جرم نہیں تھا۔ انہوں نے تو میری بھی توہین کی اور مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ سوچ کر میں نے زلیخا کی باتوں میں پہلے سے زیادہ دلچسپی لینی شروع کردی۔

''غفور نے میرے آگے ایک سودا رکھا''...... زلیخا نے کہا...... ''اسے پتہ چل گیا تھا کہ اس کی بہن کا میرے بھائی کے ساتھ معاملہ چل رہا ہے۔ شاید میری ماں کے ذریعے اسے پتہ چلا ہوگا۔ اس نے مجھے کہا کہ میں اس کے ساتھ شادی کر لوں تو وہ اپنی بہن کا رشتہ میرے بھائی کو دے دے گا۔ میں نے اسے کہا کہ مجھے اس کی بہن کا رشتہ نہیں چاہیے۔ میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ میرے بھائی نے میری مرضی کے بغیر اس کی بہن کے ساتھ شادی کر لی تو میں اپنے بھائی کو بھائی سمجھنا

چھوڑ دوں گی۔اور ساری عمر اس سے منہ نہیں لگاؤں گی......

آپ نہیں جانتے غفور کتنا کمینہ آدمی ہے۔اسے میری بات پر غصہ آ گیا۔میں پہلے ہی غصے میں تھی۔میں نے اسے کہا کہ اب اس نے مجھے پریشان کیا تو میں اپنے بھائیوں اور اپنے خاوند کے بھائیوں کو بتا دوں گی۔پہلے میں نے انہیں اس لیے نہیں بتایا تھا کہ فساد ہوگا اور بدنامی میری ہوگی۔غفور نے کہا کہ اپنے بھائیوں کو بتا دو، وہ میرا کیا کر لیں گے۔تمہیں ایسا ذلیل کروں گا کہ ایک رات خود ہی میرے پاس آجاؤ گی۔سوچ لو پچھتاؤ گی......

میں نے اس دھمکی کا اسے بڑا برا جواب دیا۔وہ بک بک کرتا نکل گیا۔میں نے اپنے بھائیوں کو نہ بتایا۔میں ڈرتی تھی۔کہ میرے بھائی اس کے گلے پڑیں گے۔میرے خاوند کے بھائی اور زیادہ دلیر اور غیرت مند ہیں۔ان چاروں نے غفور کو چھوڑنا نہیں تھا۔میں ان چار خوبصورت بھائیوں کی زندگی تباہ کرنے سے ڈرتی تھی۔غفور کی بیوی میرے ہاں آتی رہتی ہے میں نے اسے بتا دیا۔اس نے بتایا کہ غفور اسے پسند نہیں کرتا۔دراصل وہ سیدھی عورت ہے اور اس کی شکل و صورت بری تو نہیں لیکن جو خوبصورتی غفور چاہتا ہے وہ اس عورت میں نہیں......

اسی شام غفورے کی بیوی پھر میرے پاس آئی کہنے لگی کہ اس نے غفور سے کہا ہے کہ وہ اسے طلاق دینا چاہتا ہے تو دے دے اور میرے ساتھ شادی کرلے۔غفور نے مجھے برا بھلا کہا اور اپنی بیوی سے کہا کہ زلیخا جھوٹ بولتی ہے۔اس پر میاں بیوی میں تو تو میں میں ہوئی اور بیوی نے اسے غصے میں کہہ دیا...... زلیخا تجھے اپنی جوتی پر بھی نہیں لکھتی...... دوسرے دن شفو میرے پاس آئی اور میری ہمدردی کی باتیں کرنے لگی۔وہ تو میرے گھر آتی رہتی تھی اس روز اسنے بتایا کہ کل غفورے کی اپنی بیوی سے لڑائی ہوئی ہے اور غفورا کہہ رہا تھا کہ زلیخا نے مجھے خواہ مخواہ ذلیل کیا ہے۔اب اسے سارے شہر کے سامنے ذلیل کروں گا......

میں سمجھ گئی کہ شفو اپنے پاس سے بات نہیں کر رہی بلکہ یہ پیغام غفورے نے بھیجا ہے۔ میں نے شفو سے کچھ نہ کہا۔ وہ تو نوکرانی ہے پیغام ادھر ادھر لے جانا اس کا کام ہے۔ چوری چھپے پیغام بھی ادھر ادھر پہنچاتی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ غفورے سے کہنا کہ تمہارا پیغام مل گیا ہے۔ میں دیکھتی ہوں کہ کون ذلیل ہوتا ہے......اب آپ دیکھ رہے ہیں۔ شفو کی نشاندہی پر زیور میرے گھر سے برآمد ہو چکا ہے اور پتہ چلا ہے کہ یہ زیور اس کا نہیں"۔

☆☆☆

زیور اور زلیخا

''یہ سونا ہی نہیں''...... میں نے کہا...... ''کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ یہ چیزیں تمہارے گھر میں اس طرح رکھی گئیں کہ تمہیں پتہ نہ چلا''؟

''یہی ہوسکتا ہے''...... زلیخا نے جواب دیا۔

''تمہیں کس پر شک ہے؟''

''کس پر شک کروں''...... زلیخا نے کہا...... ''شفو کے سوا اور کون ہوسکتا ہے ''؟

''غفور کی بہن بھی تمہارے گھر آیا کرتی تھی''...... میں نے کہا...... ''اور اس کی بیوی بھی آیا کرتی تھی۔ کیا ان دونوں میں سے کسی پر تمہیں شک نہیں''۔

''اسکی بیوی پر میں شک نہیں کرسکتی''...... زلیخا نے جواب دیا...... ''وہ تو جب ہوتا کہ میں اس کے خاوند پر قبضہ جما رہی ہوتی ۔ باقی رہی دلشاد (غفور کی بہ چھوٹی سے بڑی) اس پر شک ہوسکتا ہے۔ طاری (زلیخا کا بھائی چھوٹے سے بڑا) نے اسے بتا دیا تھا کہ ان کی شادی نہیں ہونے دے رہی۔ دلشاد نے مجھے کہا تھا کہ طافی کے لیے اس کا رشتہ مانگوں ۔ میں اسے ٹال رہی تھی۔ اسے میں نے کوئی سخت بات تو نہیں کہی تھی...... اس نے ذرا سوچ کر کہا...... نہیں وہ ایسی حرکت نہیں کرسکتی ۔ وہ شریف لڑکی نہیں لیکن طافی کا خیال کرتے ہوئے وہ مجھے نقصان پہنچانے اور میری بے عزتی کا نہیں سوچ سکتی گھوم پھر کر میرا شک غفور پر آتا ہے۔ آپ اس پر بھی دھیان دیں کہ شفو ہی غفور کے پیغام لایا کرتی تھی کہ وہ مجھے چاہتا ہے''۔

یہ دراصل میرے سوچنے کا معاملہ تھا کہ اگر ایسا ہوا ہے کہ یہ چیزیں زلیخا کے گھر اسے چوری میں پھنسانے کے لیے رکھی گئی ہیں تو کس نے رکھی ہوں گی۔ میں نے دلشاد کے متعلق زلیخا سے بہت کچھ پوچھا۔ ویسے بھی غور کیا۔ اس پر میرا شک

ٹھہرتا نہیں تھا۔ زلیخا کے سسرال پر شک جا سکتا تھا لیکن وہ ان کی تعریفیں کرتی تھی ۔ یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ کوئی عجیب حرکت نہیں تھی ۔ دشمنی کی خاطر لوگ اس سے کہیں زیادہ ذلیل حرکتیں کر گزرتے ہیں مجھے شک ہوا کہ زلیخا اپنے جس سسر اور ساس کی تعریفیں کرتی ہے ہوسکتا ہے اندر زلیخا سے سخت خلاف ہوں ۔ میں انہیں نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔

شفو نے مجھے بیان دیا تھا کہ اسے کس طرح پتہ چلا تھا کہ زلیخا نے چوری کا زیور کوٹھڑی میں سب سے نیچے والی ہانڈی میں چھپا رکھا ہے ۔ اسنے یہ سارا بیان چھاپے کی کارروائی کے دوران زلیخا کو سنایا تھا۔ میں نے وہ بیان زلیخا کو یاد دلایا اور پوچھا کہ اس میں کتنا سچ اور کتنا جھوٹ ہے ۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ زلیخا کا رد عمل کیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس کے دانت جیسے سردی سے بجنے لگے ۔

''وہ بدکار یہیں ہے''...... زلیخا نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ......اسے اندر بلاؤ''۔

شفو سے تو میں نے اس نئی صورت حال کے مطابق پوچھ گچھ کرنی ہی تھی ۔ اب زلیخا نے کہا کہ اس کا سارا بیان جھوٹا ہے ۔ اور زلیخا کی میں نے یہ حالت دیکھی کہ وہ شفو کو کچا چبا جانے کے لیے تیار ہوگئی تو میں نے سوچا کہ پہلے شفو کے ساتھ دو ہاتھ کر لیے جائیں ۔ زلیخا کو میں نے پچھلے دروازے سے باہر بھیج کر اس طرف والے برآمدے میں بٹھا دیا اور اسے کہا کہ وہ خاموشی سے اور پورے اطمینان سے بیٹھی رہے ۔ میں شفو کو سبق سکھاتا ہوں ۔ واپس آ کر میں نے شفو کو بلایا ۔ وہ آئی تو میں نے اسے بنچ پر بٹھا دیا اور خود اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

''میری بات غور سے سنو شفو'' ...... میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تھانیداروں کے سامنے کہا...... ''اب اگر تم نے ایک لفظ بھی جھوٹ بولو تو میں چار کانسٹیبلوں کے ساتھ تمہیں پچھلے کمرے میں بھیج دوں گا ۔ وہاں تمہاری داد و فریاد

اور چیخ و پکار کوئی نہیں سنے گا''۔

ملزم کتنا ہی کمزور اور بزدل کیوں نہ ہو وہ فوراً اقبال جرم نہیں کیا کرتا۔شفو ایک چالاک عورت تھی۔اس کے علاوہ وہ عورت بھی تھی۔اس نے ایک تو عورتوں والا حربہ استعمال کیا کہ فونا شروع کر دیا۔پھر اس نے خدا اور رسول کی قرآن اور اپنے ایمان کی اپنے خاوند اور بچوں کی قسمیں کھائیں اور ثابت کرنے کی کوشش کیں کہ وہ معصوم اور بے قصور ہے۔میں جانتا تھا کہ یہ غریب عورت ہے اور یہ اس کا پیشہ ہے۔میں یہ بھی جانتا تھا کہ غفور کی کلاس کے لوگ اس قسم کے نوکروں اور نوکرانیوں کو کس طرح استعمال کرتے ہیں اور یہ بے چارے پیٹ کی خاطر اپنے مالکوں کا گندے سے گندا حکم بھی مانتے ہیں۔میرے دل میں شفو کی کچھ نہ کچھ ہمدردی ضرور تھی۔لیکن میں تفتیش کر رہا تھا۔میں تفتیش کو ہمدردی پر قربان نہیں کر سکتا تھا۔شفو کی زبان کھلوانا لازمی تھا۔

میں نے ایک بار پھر اسے کہا کہ وہ ایک تھانیدار کو بے وقوف نہیں بنا سکتی اور میں نے اسے یہ بھی کہا کہ جس کے گناہ وہ چھپا رہی ہے وہ سیدھا جیل میں جا رہا ہے اور ع وہ دوسروں کے گناہ اپنے سر نہ لے۔اس قسم کی اور بھی باتیں تھیں جو میں نے اسے کہیں۔اس نے پھر بھی جھوٹ بولا لیکن اس کی زبان اس کے قابو میں نہیں رہی تھی۔اس سے میں سمجھ گیا کہ یہ عورت واقعی جھوٹی ہے یری باتوں کا اثر اس پر ہو رہا تھا لیکن وہ ظاہر کر رہی تھی جیسے کچھ اثر نہیں ہو رہا۔آخر میری ایک دلیل ایسی تھی جس نے اسے قائل کر لیا۔یہ دلیل صرف ایک تھپڑ تھا۔دوسرے کی ضرورت نہ پڑی۔اس نے آہستہ آہستہ بولنا شروع کر دیا۔اس نے پہلی بات تو یہ بتائی کہ زلیخا کو پھنسانے کے لیے اس نے جو بیان دیا تھا وہ جھوٹا تھا اور یہ بیان اسے غفور نے پڑھایا تھا۔

''زلیخا کے گھر میں زیور کس نے رکھا تھا''میں نے پوچھا۔

''تھانیدار جی!''...... اسنے ہاتھ جوڑے اور پھر میرے پاؤں میں بیٹھ گئی اور بولی...... ''میں غریب ماری جاؤں گی ۔ ان مالکوں کے حکم پر ہم جیسے غریب کیسے ٹال سکتے ہیں ۔ کیا آپ میری مجبوری نہیں سمجھتے؟ میرے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں''۔

''سچ بولو گی تو مجھ سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ گی''...... میں نے کہا...... ''میں تھانیدار ہوں ۔ میں غفور کی برادری کا آدمی نہیں ہوں ۔ کہ میں اس کا ساتھ دوں گا۔ تمہیں بچائے رکھنا میرا کام ہے۔ تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا''۔

''دو تین روز گزرے''...... شفو نے کہنا شروع کیا...... ''چوہدری غفور نے مجھے ایک ہار اور دو کڑے دیے ۔ ساتھ دس روپے دیے اور کہا کہ یہ زلیخا کے گھر میں ایسی جگہ چھپا کر رکھنے ہیں جہاں اسے نہ پتہ چلے کہ اس کے گھر میں کسی جگہ یہ چیزیں چھپائی گئی ہیں ۔ میں یہ چیزیں دیکھ کر حیران ہوئی اور چوہدری غفور سے کہا یہ تو وہ زیور ہے جو ان کے گھر سے چوری ہوا ہے ۔ اس نے کہا کہ یہ راز کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے ۔ کچھ مطلب اسنے سمجھایا باقی وہ خود سمجھ گئی ۔ میں یہ چیزیں لے کر کئی دفعہ زلیخا کے گھر گئی اس کے گھر تو میں جاتی رہتی تھی ہر بار مجھے اپنا کام کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ آخر مجھے بڑا ہی اچھا موقع مل گیا۔ خدا نے مجھے اس مصیبت میں ڈالنا تھا اس نے یہ موقع پیدا کر دیا کہ مجھے دیکھتے ہی زلیخا نے کہا کہ تم تھوڑی دیر یہاں بیٹھو میں محلے میں کسی کے گھر جا رہی ہوں...... اس کے واپس آنے تک میں یہ چیزیں اس کی کوٹھڑی میں سب سے نیچے والی ہانڈی میں رکھ چکی تھی ۔ زلیخا جب واپس آئی تو میں صحن میں پیڑھی پر بیٹھی تھی ۔ زلیخا آئی اور ادھر ادھر کی گپ شپ لگا کر وہاں سے نکلی اور سیدھی چوہدری غفور کے پاس گئی ۔ وہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے مجھے دس روپے اور دے دیے ۔ پھر اسنے مجھے یہ بیان پڑھایا جو میں نے آ

پ کو دیا تھا''۔

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ غفور زلیخا کے پیچھے پڑا ہوا ہے؟''......میں نے پوچھا۔

''پیچھے کیا پڑا ہوا تھا جی''......شفو نے کہا......وہ تو اسے کہتا تھا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیدوں گا اور تم میرے ساتھ نکاح پڑھوا لو۔ لیکن زلیخا نہیں مانتی تھی''۔

''غفور کے پیغام تم بھی لے کر جاتی رہی ہو؟''

''اس نے تو مجھے کئی بار زلیخا کے پاس بھیجا تھا''......شفو نے کہا......''لیکن وہ مانتی نہیں تھی''۔

''کیوں نہیں مانتی تھی''......میں نے پوچھا......''کیا زلیخا کسی اور کے ساتھ تعلق قائم کر رکھا تھا؟''

''توبہ کرو جی!''......شفو نے کہا......''آپ اس عورت کو نہیں جانتے۔ وہ تو اس طرح باتیں کرتی ہے جیسے اس کا شوہر زندہ ہے اور اس کے ساتھ رہتا ہے۔ چوہدری غفور جیسوں کو کہاں وہ اپنے پلے باندھتی ہے''۔

''تو اس کا مطلب یہ ہوا''......میں نے کہا......''کہ چوہدری غفور زلیخا کو تنگ کر کے منوانا چاہتا تھا یا اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا''۔

''یہ تو میں نہیں بتا سکتی کہ وہ بدلہ لینا چاہتا تھا یا اسے مجبور کرنا چاہتا تھا''۔......شفو نے کہا......''میں اتنا ہی جانتی ہوں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر زلیخا کو گھر میں لانا چاہتا تھا لیکن زلیخا نہیں مان رہی تھی''۔

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ جو زیور تم نے زلیخا کے گھر رکھا تھا وہ نقلی تھا؟''

''نہ جی!''......اسنے کچھ حیران سا ہو کر جواب دیا......''یہ وہی زیور تھا''۔

''کیا تم نے غور سے نہیں دیکھا تھا''۔

''نہ جی!''......شفو نے جواب دیا......''چوہدری غفور نے مجھے یہ چیزیں دیں اور میں نے جلدی جلدی سے اپنے نیفے میں اڑس لیں......یہ اصلی نقلی کا معاملہ کیا ہے جی؟''

''میں نے ویسے ہی پوچھا ہے''۔......میں نے کہا اور پوچھا......''دو انگوٹھیاں بھی تو چوری ہوئی تھیں......غفور نے تمہیں وہ نہیں دی تھیں؟''

''انگوٹھیاں تو اس نے نہیں دیں''......شفو نے جواب دیا۔

☆☆☆

اصلی اور نقلی کا معاملہ

میں نے شفو پر کچھ دیر جرح کی۔ اس سے مزید کوئی نئی بات معلوم نہ ہوئی۔ مجھے یاد آیا کہ غفور کو پتہ چلا کہ زیور چوری ہو گیا ہے تو اس نے فوراً تھانے میں رپورٹ درج کرا دی۔ اکثر لوگ لوٹا پھرواتے یا مٹی پھینکواتے تھے۔ غفور کی ماں نے اسے کہا تھا کہ پہلے یہ دونوں عمل کر لیتے ہیں لیکن غفور نہیں مانا تھا۔

میں نے دوسری بات یہ نوٹ کی کہ گھر کے پیسے یا زیور کی ایک دو چیزیں یا کوئی ایسی چیز غائب ہو جائے تو پہلا شک نوکروں پر کیا جاتا ہے۔ نوکروں پر تشدد بھی کیا جاتا ہے لیکن اس کیس میں ایسا نہیں ہوا بلکہ غفور شفو کی تعریفیں کرتا تھا حالانکہ وہ اچھے چلن کی عورت نہیں تھی۔ ایسی ہی ایک دو اور باتیں مجھے یاد آ گئیں تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ غفور مطمئن تھا کہ چوری نہیں ہوئی۔

میں نے شفو کو باہر بٹھا کر غفور کو بلایا۔ رات ہو چکی تھی اس نے آتے ہی کہا کہ عورتیں پریشان ہو رہی ہوں گی اور میں انہیں گھر جانے کی اجازت دے دوں۔ میں نے اسے کہا کہ میں بھی تو گھر نہیں گیا۔ وردی میں پھنسا ہوا انہی کا کام کر رہا ہوں۔

''غفور بھائی!''...... میں نے اسے کہا...... ''اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے والد صاحب والدہ اور بہنیں جلدی گھر چلی جائیں تو میں جو پوچھوں گا وہ سچ سچ بتا دو اور انہیں اپنے ساتھ گھر لے جاؤ۔ اگر مجھے چکر دینے کی کوشش کرو گے تو نہ تم گھر جا سکو گے نہ میں تمہارے والدین اور بہنوں کو جانے دوں گا...... مجھے جلدی جلدی بتاؤ کہ وہ دو انگوٹھیاں کس کے پاس ہیں جو تم نے چوری کی رپورٹ میں لکھوائی تھیں''۔

اس نے حیران ہو کر میرے منہ کی طرف دیکھا۔ میں نے اسے بولنے کی مہلت نہ دی۔

''فوراً بول چوہدری غفور''...... میں نے کہا...... ''تو اب گھر نہیں جا سکے گا۔ تیرا جرم تجھے سارے شہر کے سامنے ننگا کرے گا''۔

جرم کر لینا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ اس کا ردعمل سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہی حال غفور کا ہو رہا تھا۔ اگر اس پر الزام غلط ہوتا تو گڑ گڑا اچھلتا اور اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرتا۔ اس کا تو رنگ ہی اڑ گیا تھا۔

''او چوہدری!''...... میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے ہلایا اور کہا...... ''میں تیرے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے سچی بات بتا دے...... یہ بتا کہ اصلی زیور زلیخا کے گھر جا کر نقلی کس طرح بن گیا؟...... یا یہ بیان دے دے کہ تیرے گھر چوری ہوئی ہی نہیں پھر میں تجھے اس جرم میں اندر کر کے دو سال جیل دلواؤں گا کہ تو نے ایک شریف عورت کو بدنام کرنے کے لیے پولیس کو دھوکا دیا ہے...... سچی بات بتا دے چوہدری میں تجھے زیادہ مہلت نہیں دوں گا''۔

اس نے بے معنی سی بات کی پھر کہنے لگا شفو نے جھوٹ بولا ہے پھر اس نے زبان کو قلابازی دی اور بولا کہ زلیخا نے جھوٹ بولا ہے۔ اور اس نے شفو کو ساتھ ملا لیا ہے۔

''تمہیں کس نے بتایا کہ شفو نے تمہارے خلاف کچھ کہا ہے؟''...... میں نے پوچھا...... ''اور یہ بتا کہ زلیخا تمہاری دشمن کیوں ہے؟''

وہ مجھے دیکھے جا رہا تھا اور زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

''میں تمہارے باپ اور بہنوں کو اندر بلاتا ہوں''...... میں نے کہا...... ''اور ان سے پوچھتا ہوں کہ ان کی چوری ہوئی بھی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوئی تو میں ان سب کو حوالات میں بند کرتا ہوں اور میں انہیں بھی یہ بتاؤں گا کہ تم نے زلیخا کے خلاف کیا چکر چلایا ہے۔ تمہاری بدمعاشی تمہارے پورے خاندان کو جیل بھجوا رہی

ہے۔تم اپنے آپ کو اس شہر کا مہاراجہ سمجھتے ہو۔تمہاری حالت بھنگیوں سے بدتر کر دوں گا اور تمہاری بہنیں......'' میں نے اس سے آگے کچھ نہ کہا۔

''کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟''......اسنے پوچھا اور کہنے لگا......''جو خدمت آپ کہیں گے کروں گا......خدا کی قسم جھولی بھر دوں گا''۔

''کیسی گنجائش؟''......میں نے کہا......''اصل واردات تو سناؤ میں نے سب سے پہلے یہی بات کہی تھی کہ سچ بولو اور میں تمہیں بچا لوں گا۔ مجھے شہادت دوسرو ں سے ملے تو تمہیں کیوں بچاؤں گا؟تم مجھے تنگ کرو گے تو میں تمہیں اور تمہارے پورے خاندان کو وہ رگڑا دوں گا کہ بھکاری بن جاؤ گے ......لو اب مجھے اپنا بھائی سمجھ کر بتاؤ کہ کیا چکر کیا ہے''۔

''ایک دھوکہ میں نے دیا ہے''......اسنے لمبا سانس لے کر کہا......''ایک دھوکہ میرے ساتھ ہوا ہے......میں نے شفو کو اصلی زیور دیا تھا دو انگوٹھیاں بھی تھیں لیکن زیور جو زلیخا کے گھر سے برآمد ہوا ہے یہ اصلی نہیں اور اس میں دو انگوٹھیاں بھی نہیں۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ یہ کیسے ہوا ہے یہی ہوسکتا ہے کہ شفو نے یہ زیور کئی دن اپنے پاس رکھا ہو اس نے ان چیزوں کی نقل بنوا لی ہو گی۔ اور انگوٹھیاں اس نے اپنے پاس رکھ لی ہوں گی''۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنی بہن کا زیور تم نے چوری کیا تھا''۔

''جی''......اس نے کہا۔

''زلیخا کے گھر رکھوانے کے لیے''......میں نے کہا۔

''ہاں جی!''

''کیوں؟''......میں نے پوچھا......''اس تم کیوں پھنسانا چاہتے تھے؟''

اس نے وہی وجہ بتا دی جو مجھے پہلے زلیخا اور شفو سے معلوم ہو چکی تھی۔اسے اپنی بیوی پسند نہیں تھی۔اس نے زلیخا کو اپنے دل میں بٹھا رکھا تھا۔لیکن زلیخا نے

اسے دھتکار دیا۔ اس سے زیادہ اس کی بے عزتی یوں ہوئی کہ زلیخا نے اس کی بیوی کو بتا دیا کہ غفورا سے طلاق دینا چاہتا ہے۔ اور اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ بیوی نے غفور کو سخت کڑوی باتیں کہہ دیں۔

☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

شفو بھی کچھ نہ بتا سکی

''تم نے سوچا کیا تھا؟''...... میں نے پوچھا...... ''زلیخا سے انتقام لینا تھا؟''

''کیا بتاؤں میں نے کیا سوچا تھا؟''......اس نے پریشان لہجے میں جواب دیا......''میں نے سوچا تھا کہ چوری کی چیزیں زلیخا کے گھر سے برآمد ہوں گی تو یہ پکڑی جائے گی۔ پھر میں اسے کہوں گا کہ وہ شادی پر راضی ہو جائے تو میں اسے چھڑوالوں گا''۔

''تم کیسے چھڑوا لیتے؟''

''مجھے پکی امید تھی کہ رشوت دے کر چھڑوا لوں گا''......غفور نے جواب دیا......''میرا خیال یہ بھی تھا کہ میں آپ سے کہوں گا کہ ہمارا مال ہمیں مل گیا ہے ہم زلیخا کو یہ جرم بخش دیتے ہیں پھر آپ اسے چھوڑ دیں گے لیکن یہاں تو صورت ہی کچھ اور پیدا ہو گئی ہے''۔

''یہ تمہاری بیوی کی آہ کا نتیجہ ہے''......میں نے کہا......''کوئی انسان جب کسی انسان کی قسمت اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے......بہر حال چوہدری غفور یہ تمہارے گھر کا معاملہ ہے۔ میرا مسئلہ تمہاری بہن کا جو زیور چوری ہوا ہے وہ ابھی نہیں ملا چوری تم نے کی تھی۔ میرا شک ہے کہ اصلی زیور تم نے خود بیچ کر کھایا ہے۔ اور زلیخا کو پھنسانے کے لیے نقلی زیور اس کے گھر رکھوا دیا تھا......نقلی زیور کس سے بنوایا تھا؟''

''اس نے قسمیں کھانی شروع کر دیں۔ اب وہ اسی طرح تڑپ رہا تھا جس طرح ایک بیگناہ آدمی پر جھوٹا الزام لگاؤ تو وہ تڑپتا ہے۔ میں نے اسے باتوں سے بہت پریشان کیا لیکن وہ تڑپ تڑپ کر انکار کرتا رہا۔

''مجھے بہن کا زیور بیچنے کی کیا ضرورت ہے''......وہ بار بار کہتا تھا......''میرے گھر میں روپے پیسے ٹھیکروں کی مانند بکھرے رہتے ہیں میرا تو

مقصد ہی کچھ اور تھا۔ مجھے امید تھی کہ میرا کام بھی ہو جائے گا اور بہن کا زیور بھی واپس آ جائے گا‘‘۔

مجھے ان کے زیور کے ساتھ یہ دلچسپی تھی کہ یہ چوری ہو گیا تھا اور یہ برآمد کرنا تھا۔ میں نے چور پکڑ لیا تھا۔ یہ غفور تھا لیکن مال ابھی برآمد نہیں ہوا تھا۔ غفور شفو کی نشاندی کر رہا تھا کہ اسنے اصل زیور شفو کو دیا تھا۔ میں شفو سے پہلے ہی پوچھ چکا تھا۔ وہ کہتی تھی کہ اسنے غور سے دیکھا تھا کہ اسے جو زیور دیا گیا ہے وہ اصلی ہے یا نقلی۔ دو انگوٹھیاں تو ملی ہی نہیں تھیں۔

میں نے غفور کو ایک کانسٹیبل کے حوالے کر کے کہا کہ اسے اپنی بارک میں بٹھائے اور کوئی اس کے پاس نہ آئے۔ اسے بھیج کر شفو کو بلایا اور از سر نو اس پر جرح کی۔ وہ کہتی تھی کہ اس کے گھر کی تلاشی لی جائے۔ اس میں اتنی جرات نہیں کہ جن کا دیا کھاتی ہے ان کی سونے کی انگوٹھیاں ہضم کر جائے۔

’’میں غریب عورت ہوں جی!‘‘...... اس نے کہا...... ’’مجھے جو حکم ملا ہو میں نے پورا کیا۔ مجھ میں اتنی عقل ہے کہ میں نے سوچ لیا تھا کہ اس کھیل میں پولیس بھی آئے گی اور یہ کام بڑا خطرناک ہے۔ اس لیے میں یہ چیزیں زیادہ دن اپنے پاس رکھنے سے ڈرتی تھی۔ مجھے یہی ڈر تھا جو میرے سامنے آ گیا‘‘۔

میں نے شفو پر اعتبار کر لیا کیونکہ وہ مجھے راز دے چکی تھی۔ اس نے اپنے مالک کو پکڑوا دیا تھا۔ اب کوئی بات چھپانے کی اس کے پاس کوئی وجہ نہیں تھی۔ میں نے اسے بھی باہر بٹھا دیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رات کے ساڑھے بارہ بج گئے تھے۔ غفور کا باپ اس کی ماں اور بہنیں باہر بیٹھی تھیں۔ میں رات ہی رات کس نتیجے پر پہنچ کر کیس کنارے لگانے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ مجھے اب اس پر غور کرنا تھا کہ نقلی زیور کہاں سے آیا۔ مجھے یاد آیا کہ جس سنار نے بتایا تھا کہ اس پر سونے کا پانی چڑھا

ہوا ہے اس نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ پانی نیا نیا چڑھا ہے اس کے بعد اسے خراب ہو جانا تھا۔

سوچتے سوچتے مجھے خیال آیا کہ سونے کا پانی کسی سنار نے چڑھایا ہو گا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے مجھے سناروں سے پوچھنا تھا۔ اس لیے موزوں آدمی سناروں کا چوہدری تھا۔ اسے بلانا تھا۔ میں نے یہ کام صبح پر چھوڑ دیا۔ غفور زلیخا اور شفو کو تھانے میں رہنے دیا۔ غفور کے ماں باپ اور بہنوں کو گھر جانے کی اجازت دے دی۔ زلیخا شفو اور غفور کے کھانے اور سونے کا انتظام کر دیا اور اپنے سٹاف سے کہا کہ تینوں کو الگ الگ رکھا جائے۔ میں خود گھر چلا گیا۔

☆☆☆

ہیڈ کانسٹیبل ہدایت اللہ

اگلی صبح تھانے میں آتے ہی مجھے ایک رپورٹ ملی ۔تھانے کے سٹاف میں ایس ایچ او یعنی بڑے تھانیدار کو خوش کرنے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف چغلیاں کھانے والے آدمی بھی ہوتے ہیں ۔محرر ہیڈ کانسٹیبل ہندو تھا۔اسنے مجھے بتایا کہ میں حکم دے گیا تھا کہ غفور زلیخا اور شفو کو الگ الگ رکھا جائے اور ان کے پاس کوئی نہ آئے لیکن ہیڈ کانسٹیبل ہدایت اللہ رات کو بہت دیر شفو کے پاس بیٹھا رہا پھر غفور کے پاس جا بیٹھا اور اس کے ساتھ کھسر پھسر کرتا رہا۔میرے پوچھنے پر محرر نے بتایا کہ ہدایت اللہ زلیخا سے نہیں ملا۔

میں نے محرر کو پرے کر کے ہیڈ کانسٹیبل ہدایت اللہ کو بتایا۔

''کیوں ہدایت بھائی!''...... میں نے شگفتہ لہجے میں پوچھا......''رات کو تم غفور اور اس کی نوکرانی سے پوچھ گچھ کرتے رہے ہو کوئی نئ بات معلوم ہوئی یا وہ اپنے اپنے بیان پر اڑے ہوئے ہیں''۔

''یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے **ملک** صاحب!''......ہدایت اللہ نے بڑا اہم آدمی بنتے ہوئے کہا...... یہ کوئی غلط فہمی ہے ۔چوہدری غفور معزز آدمی ہے اور یہ عورت غریب اور نادار نوکرانی ہے''۔

''تمہارا مطلب ہے کہ دونوں بے چارے کسی غلط فہمی میں پھنس گئے ہیں ......میں نے کہا......''دیکھ ہدایت !اس کیس کی تفتیش میرے ہاتھ میں ہے ۔اگر میں نے کوئی گڑ بڑ دیکھی تو جواب طلبی تم سے کروں گا۔اس کیس میں تمہارا چائے پانی نہیں بن سکے گا''۔

پولیس کے ہیڈ کانسٹیبل عموماً ملزموں اور مشتبہوں کو لگ تھلگ ڈرا دھمکا کر یا سفارش کرنے کا لالچ دے کر اپنی جیبیں گرم کرلیا کرتے تھے ۔ہدایت اللہ کے متعلق پہلے بھی مجھے رپورٹ ملی تھی کہ یہ کام کیا کرتا ہے ۔میں نے ڈانٹ ڈپٹ کر

اسے چھوڑ دیا۔ اس سے فارغ ہو کر میں نے ہندو محرر ہیڈ کانسٹیبل سے کہا کہ کسی کانسٹیبل کو بھیجنے کی بجائے وہ خود جائے اور کسی ایسے سنار کو بلا لائے جو تمام سنار وں کا پنچ یا بزرگ ہو یعنی جس کا اپنی برادری پر اثر ورسوخ ہو۔

محرر کے ساتھ یاک کی بجائے دو سنار آ گئے۔ ان میں ایک وہی تھا جس نے مسروقہ زیور تیار کیا تھا۔ اسے میں گزشتہ روز بھی بلایا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اس نقل کے نمونے کا اصل زیور دلشاد کے لیے اس سے بنوایا گیا تھا۔ میں نے نقلی ہار اور کڑے انہیں دکھا کر کہا کہ چند روز پہلے سونے کا یہ پانی چڑھایا گیا ہے۔

''میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ نقل کس نے بنوائی ہے'' میں نے کہا ......''ہوسکتا ہے یہاں سے بنوائی ہی نہ گئی ہو آپ معلوم کریں اور سب سے کہیں جس نے یہ نقل بنائی ہے اس نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ وہ ایک مجرم کو پکڑنے میں مدد دے۔ اس کی شاباش ملے گی اور میں اس کا بہت مشکور رہوں گا بلکہ یہ مجھ پر احسان ہوگا...... اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دینا کہ بعد میں مجھے پتا چلا یا مجرم نے مجھے بتایا کہ اس نے یہ نقل فلاں سنار سے بنوائی تھی تو پھر یہ اس کا جرم ہوگا۔ شہادت چھپانا بہت بڑا جرم ہے''۔

''اس چوری کا ابھی تک کوئی سر پیر نہیں ملا؟'' ......بوڑھے سنار نے کہا...... ''آپ کے ہیڈ کانسٹیبل ہدایت اللہ صاحب تین چار بار ایک دکان پر جاتے رہے ہیں۔ میں تو سمجھتا تھا کہ وہ اسی تفتیش کے لیے جایا کرتے تھے''۔

''اس سنار سے آپ لوگوں نے پوچھا ہوگا کہ ہیڈ کانسٹیبل نے کیا تفتیش کی ہے؟'' ......میں نے بناوٹی سی ہنسی سے پوچھا۔

میں ان پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ مجھے معلوم ہی نہیں کہ میرا کوئی ہیڈ کانسٹیبل کسی سنار کی دکان پر جاتا رہا ہے۔ کسی ہیڈ کانسٹیبل کا کسی سنار کے ہاں جانا جرم بھی نہیں۔ وہ اپنی بہن یا کسی اور رشتہ دار کے لیے زیورات بنوانے جاتا ہوگا۔

پھر بھی میں نے ذہن میں رکھ لیا ہے کہ ہدایت اللہ وہاں جاتا رہا ہے۔

''اس میں چھپانے والی تو کوئی بات نہیں''...... دوسرا سنار بولا...... ''سرکار! میں نے اس سنار سے پوچھا تھا کہ پولیس حوالدار کیوں بار بار آتا ہے۔اس نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا کہ پولیس حوالدار کہتا تھا کہ کسی کو اس کام کا پتہ نہ چلے۔سنار کو بہت افسوس تھا کہ حوالدار ہدایت نے اس سے کام کرایا اور اسے پیسے اتنے تھوڑے دیے کہ مول بھی وصول نہیں ہوا''۔

''یہ نہیں بتایا کام کیا تھا؟''

''نہیں''......سنار نے جواب دیا......''کہتا تھا پولیس حوالدار منع کر گیا ہے''۔

یہ کوئی اور چکر تھا۔چکر نہیں کہنا چاہیے۔ہدایت اللہ نے اپنے گھر کا زیور بنوا کر پیسے بہت تھوڑے دیے ہوں گے اور سنار سے کہا ہوگا کہ کسی کو پتہ نہ چلنے دے ۔میں نے تھانے کے سٹاف کو سختی سے کہہ رکھا تھا کہ کسی مزدور سے بیگار نہیں لینی اور کسی دوکاندار سے کوئی مفت چیز نہیں لینی ۔اگر وہ مفت پیش کرے تو بھی نہیں لینی ۔ہدایت اللہ سے میں نے پوچھنا تھا کہ اس نے سنار کو کیوں کم پیسے دیے ہیں اور یہ کیوں کہا ہے کہ اس کام کا کسی کو پتہ نہ چلے۔

''مجھے شک ہے''......بوڑھے سنار نے کہا......''نقلی زیور اسی نے بنایا ہے''۔

''ہیڈ کانسٹیبل ہدایت نے بنوایا ہے؟''......میں نے پوچھا۔

''یہ معلوم نہیں''......سنار نے جواب دیا۔

''آپ لوگ جائیں......میں نے انہیں کہا......''آپ میری بہت مدد کر رہے ہیں ۔اس کا بہت بہت شکریہ......آپ اس سنار کو میرے پاس بھیج دیں۔ اسے تسلی دینا کہ ڈرنے والی کوئی بات نہیں''۔

☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

لالہ جی راز دے گئے

ہیڈ کانسٹیبل اچھا آدمی نہیں تھا۔حرام خوری اور حرام کاری کا عادی تھا۔رات کو وہ میری غیر حاضری میں غفور اور شفو کے پاس بیٹھا رہا۔اب پتہ چلا کہ ایک سنار سے کوئی کام کرا کے اسے پیسے بھی پورے نہیں دیے۔میں نے اس کی تہہ بٹھانے کے لیے ایک کانسٹیبل سے کہا کہ ہدایت کو میرے پاس بھیج دے۔

وہ بہت دیر تک نہ آیا تو میں نے آواز دی۔کانسٹیبل نے بتایا کہ ہدایت تھانے میں نہیں۔کچھ دیر پہلے وہیں تھا۔میں نے کہا کہ اسے تلاش کرو۔کچھ دیر بعد پوچھا تو جواب ملا کہ نہیں ہے۔پھر کسی نے کہا آرہا ہے۔وہ باہر سے آرہا تھا۔میں نے اسے بلا لیا اور دفتر میں لے گیا۔اس سے پوچھا کہ اس نے فلاں سنار سے کیا کام کرایا تھا۔

''اپنی بھتیجی کے لیے دو مرکیاں بنوائی تھیں''......اس نے جواب دیا۔

''اسے پیسے پورے دیے تھے؟''

''چار پیسے زیادہ ہی دیے ہوں گے جی''......اسنے کہا ......''کیوں **ملک** صاحب اس نے میری شکایت کی ہے؟''

''اب کہاں سے آرہے ہو؟''

''یہ وقت ہو گیا ہے **ملک** صاحب!''......اس نے دوستوں جیسی بے تکلفی سے کہا''اب جا کر ناشتہ کیا ہے''۔

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم تصدیق شدہ حرامی ہو؟''......میں نے کہا ......''بعض لوگوں کے متعلق شک ہوتا ہے تمہارا معاملہ بالکل صاف ہے۔اگر اس سنار نے کہہ دیا کہ تم نے اسے تھوڑے پیسے دیے ہیں کہ اس کا مول بھی وصول نہیں ہوا تو تمہیں وہ باپ یاد دلاؤں گا جو تمہارا باپ نہیں ہے''۔

ہدایت اللہ کے ڈھیٹ پن کا یہ عالم تھا کہ وہ ہنس پڑا اور بولا ......''**ملک**

صاحب! کبھی چار پیسے ہماری جیب میں آ گئے تو بخش دیا کریں۔ آپ نے تو ہماری روزی والی ٹولی ہی بند کر دی ہے''۔

میں اسے گالی گلوچ کر رہا تھا کہ سنار آ گیا۔ اس کی چال اور اس کی شکل بتا رہی تھی کہ ڈرا ہوا ہے۔ وہ ادھیڑ عمر مریل اور سوکھا ہوا ہندو تھا۔ اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا...... ''سلام حضور!''...... تو مجھے افسوس ہوا کہ یہ اس کی زندگی کے آخری الفاظ ہیں اور اس کی روح اس کے پنجرے سے آزاد ہو گئی ہے۔

''آؤ لالہ جی!''...... میں نے اس کے ساتھ ہاتھ ملانے کو ہاتھ اس کی طرف کیا تو اپنا ہاتھ آگے کرنے کی بجائے میرے ہاتھ کو یوں دیکھنے لگا جیسے میں اسے کوئی ایسی چیز پیش کر رہا ہوں جو اس کے لیے حرام ہے۔ آ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے کہا...... ''ڈرو نہیں لالہ جی! اندر بیٹھو''۔

اسے دفتر میں کرسی پر بٹھا کر نقلی ہار اور کڑے اس کے سامنے رکھ دیے اور بغیر تمہید کے اس پر حملہ کر دیا۔

''یہ چیزیں آپ نے بنائی تھیں لالہ جی!...... میں نے احترام کے لہجے میں کہا ...... یہ آپ سے کس نے بنوائی تھیں؟''

بے چارہ اتنا سہا ہوا تھا کہ ان چیزوں کی طرف دیکھتا اور ڈرتا تھا۔ میں نے اپنا سوال دہرایا تو اسنے میری طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ اس طرح کانپ رہے تھے جیسے اسے سردی لگ رہی ہو۔ میں نے ایک بار پھر اس سے پوچھا کیا یہ چیزیں اس نے بنائی ہیں؟ اس کی حالت پہلے سے بھی خراب ہو گئی۔

''لالہ جی!''...... میں نے دوستوں کی طرح کہا...... ''آپ نے کوئی جرم نہیں کیا۔ آپ کیوں ڈرتے ہیں؟...... کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں یا آپ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ جو آپ مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں؟''

اس نے رونی سی صورت بنالی اور پیچھے دیکھا۔ اس کے پیچھے دروازہ بند تھا۔

''مت ڈریں لالہ جی''...... میں نے کہا...... ''میں آپ کی طرح انسان ہوں۔ میں نے آپ] کو ملزم سمجھ کر نہیں بلایا۔ مجھے آپ کی مدد اور آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے''۔

میں بڑی مشکل سے اس شخص کو نارمل حالت میں لایا اور وہ بات کرنے کے قابل ہوا۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ صحیح حالت میں آ گیا ہے تو میں نے اس سے پوچھا کہ آپ اس قدر خوفزدہ کیوں ہو گئے ہیں؟''

''پولیس کے ڈر سے''...... اس نے جواب دیا...... ''پولیس حوالدار کی بڑی پاور ہوتی ہے۔ میں آپ سے ایک عرض کا تا ہوں کہ میں جو کچھ بھی بتاؤں گا وہ آپ اپنے حوالدار ہدایت اللہ کو معلوم نہ ہونے دیں''۔

''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اس کے اوپر ایک چھوٹا تھانیدار اور ایک بڑا تھانیدار رہوتا ہے؟''...... میں نے پوچھا...... ''اس سے آپ کیوں ڈرتے ہیں؟ میری موجودگی میں اس کی کوئی پاور نہیں۔ آپ بے فکر ہو کر بات کریں''۔

''یہ ہار اور یہ کڑے جو آپ نے دکھائے ہیں یہ مجھ سے ہدایت اللہ نے بنوائے تھے''...... اسنے کہا اور ایک بار پھر پیچھے دروازے کی طرف دیکھا پھر بولا...... اس نے کہا تھا کہ یہ ایک دن میں بن جائیں اور ان پر سونے کا پانی اس طرح چڑھے کہ یہ اصلی لگیں۔ میں ایک دن میں نہ بنا سکا۔ دوسرے دن شام کو چیزیں تیار ہوئیں ان دو دنوں سے حوالدار ہدایت اللہ میری دکان پر چھ سات دفعہ آیا۔ پھر وہ چیزیں لے گیا۔ میں نے اسے جو پیسے پہلے بتائے تھے ان میں سے آدھے بھی نہیں ملے۔ اس نے مجھے کہا کہ کسی کو پتہ چلا کہ اس نے یہ کام مجھ سے کروایا ہے تو وہ مجھے ایک ایسے چکر میں پھنسائے گا کہ میں پانچ سالوں کے لیے جیل میں چلا جاؤں گا''...... وہ چپ ہو گیا۔ ایک بات پھر اس نے میرے

آگے ہاتھ جوڑ دیے اور بولا...... ''تھانیدار مہاراج! مجھے مصیبت سے بچانا۔ آپ کے پاس آنے سے پہلے حوالدار ہدایت اللہ میرے پاس آیا تھا''۔

''ابھی؟''...... میں نے چونک کر پوچھا...... ''تھوڑی دیر پہلے؟''

''جی''...... اس نے جواب دیا...... ''کہتا تھا کہ تمہیں پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیں تو بھی نہ بتانا کہ میں نے تم سے یہ چیزیں بنوائی تھیں''...... وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا...... ''حضور! ہم بچوں کی روزی کے اڈے پر بیٹھے ہیں۔ کسی کو ہم ناراض نہیں کر سکتے۔ پولیس کی ناراضگی تو ہمیں بہت مہنگی پڑتی ہے''۔

''لالہ جی!''...... میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا...... میں ہو پولیس ہدایت اللہ پولیس نہیں ہے۔ آپ نے یہ بات بتا کر پولیس کا دل خوش کر دیا ہے۔ ہدایت اللہ کیا چیز ہے۔ وہ تو سمجھو کہ پولیس کی نوکری سے گیا...... ہاں آگے سناؤ''۔

''بس جی اور کیا سناؤں؟''...... اس نے کہا...... ''یہ ابھی ابھی مجھے پھر ڈرا دھمکا کر آیا ہے''۔

میں نے سنار کا بیان لکھ کر اس کے دستخط لے لیے اور اسے تسلی دلاسہ دے کر کہا کہ اسے عدالت میں پیش ہونا پڑے گا۔ وہ چونکہ دکاندار تھا اس لیے میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

☆☆☆

اپنے دام میں صیاد خود آ گیا

میں نے ہیڈ کانسٹیبل ہدایت اللہ کو بلایا۔

''تم نے بتایا تھا کہ تم ناشتہ کرنے گئے تھے''...... میں نے کہا...... ''میں تمہیں موقع دیتا ہوں ایک بار پھر سوچ لو اور ایسا جھوٹ بولو جسے میں سچ مان لوں''۔

وہ کچا آدمی نہیں تھا۔ پولیس میں اس کی چودہ پندرہ سال کی سروس ہو گئی تھی۔ خود بھی پکا بدمعاش تھا اور بدمعاشوں کے ساتھ اس کا یارانہ تھا۔ وہ اتنی جلدی ماننے والا آدمی نہیں تھا۔ بات لمبی ہو جائے گی ورنہ میں آپ کو اس کا ایک ایک لفظ سناتا جو اس نے مجھے رام کرنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اسے معلوم ہے کہ میں اس سے کیا پوچھ رہا ہوں۔ اس نے اس سنار کو آتے دیکھا تھا۔

''تم ناشتہ کرنے نہیں گئے تھے''۔...... میں نے اسے کہا...... ''پہلے دو سناروں کو دیکھ کر تم نے جان لیا تھا کہ میں اس سنار کو بھی بلاؤں گا جس سے تم نے یہ ہار اور کڑے بنوائے ہیں۔ تم اسے ڈرانے دھمکانے کے لیے چلے گئے تھے...... بولو کیا یہ جھوٹ ہے؟''

''نہیں **ملک** صاحب!''...... وہ یکلخت معصوم بن گیا اور اس نے ایسے لہجے میں جواب دیا جیسے ابھی ابھی اسے اطلاع ملی ہے کہ اس کے والدین فوت ہو گئے ہیں کہنے لگا...... آپ سچ کہتے ہیں۔

''دیکھو ہدایت!''...... میں نے کہا...... ''تم مجھے جانتے ہو تم خود پولیس کے بڑے پرانے ملازم ہو مجرموں کی طرح میرے ساتھ بات نہ کرو۔ سیدھی سیدھی بات کرو۔ پھر میں دیکھوں گا کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں...... یہ ہار اور کڑے جو تمہارے سامنے پڑے ہیں یہ تم نے بنوائے تھے اور اس کیس میں تمہارا کیا تعلق ہے؟ مجھے کوئی ایسا جواب دو جس سے میری تسلی ہو جائے''۔

وہ کیا جواب ہوتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ صحیح بات نہ بتانے کی صورت میں

تھانے میں اس کا کیا حشر ہو گا۔ میں نے دو تین مرتبہ اور اسے کہا کہ وہ بول پڑے۔ میں نے اسے یہ بھی کہا کہ غفور اور شفو میرے ہاتھ میں ہیں اور میں ان کی نشاندہی پر اس سنار تک پہنچا ہوں۔ یہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ لیکن اس جھوٹ کی بنیاد تھی۔ یہ صاف ہو گیا تھا کہ غفور اور شفو کے ساتھ ہدایت اللہ کا گہرا تعلق ہے۔

''**ملک** صاحب!''...... ہدایت اللہ نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا ......''سب کچھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میری سروس میرے بیوی بچوں کی روزی بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔ آپ معاف کر دیں۔ میں آپ کو ساری بات بتا دوں گا۔ یہ کوئی ڈاکے اور قتل کا کیس نہیں۔ سرقہ کی معمولی سی واردات ہے۔ میں آپ کی یہ مدد کروں گا کہ مسروقہ سامان آپ کے حوالے کر دوں گا۔ جو آپ غفور کو دے دیں۔ وہ کیس آگے چلانے کے لیے نہیں کہے گا''۔

''بولو بولو ہدایت''...... میں نے کہا...... ''پہلے کچھ بتاؤ۔ جیسا کہو گے ویسا کریں گے۔ یہ تو تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ تم نہیں بولو گے تو میرے پاس تمہارے ساتھی موجود ہیں۔ اس صورت میں تم کیا کرو گے؟''

مختصر یہ کہ میرے اس وعدے پر کہ میں ویسے ہی کروں گا جیسے وہ کہے گا اس نے جرم کا اقبال کر لیا۔ ہدایت اللہ اور غفور کی گہری دوستی تھی۔ غفور شراب پیتا تھا اور ہدایت کو بھی پلاتا تھا۔ غفور اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تھا اور زلیخا سے شادی کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ یہ تو غفور کے بیان سے آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ غفور کے ساتھ زلیخا نے کیا سلوک کیا تھا۔ غفور نے ہیڈ کانسٹیبل ہدایت اللہ کے ساتھ بات کی۔ ہدایت اللہ نے اسے یہ ترکیب بتائی۔ اس کے مطابق غفور نے اپنی بہن کے زیورات چوری کیے۔

بہن کو ایک دو روز بعد پتا چلا اور اس نے شور شرابہ کیا۔ غفور فوراً تھانے آ گیا اور

چوری کی رپورٹ درج کرا دی۔ یہ چیزیں زلیخا کے گھر رکھوانے کا کام شفو کے سپرد کیا گیا۔ ہدایت اللہ نے مجھے نئی بات یہ سنائی کہ جب زیور شفو کے ہاتھ میں آگیا تو ہدایت اللہ کی نیت خراب ہوگئی۔ ایک رات وہ شفو کے گھر گیا۔ اس عورت کے ساتھ ہدایت اللہ کی بے تکلفی تھی۔ ہدایت اللہ نے شفو سے کہا کہ یہ چوری کا مال ہے آؤ کچھ ہم بھی کمالیں۔

اس نے کچھ کمانے کا طریقہ یہ بتایا کہ وہ کسی سنار سے ان چیزوں کی نقل بنوا کر ان پر سونے کا پانی چڑھا لے گا پھر یہ نقلی چیزیں شفو زلیخا کے گھر رکھ آئے گی۔ شفو غفور سے ڈر گئی۔ ہدایت اللہ نے اسے کہا کہ غفور کو پتہ چل بھی گیا کہ اسے نقلی مال واپس ملا ہے اور یہ ہماری کارستانی ہے تو بھی وہ نہیں بولے گا کیونکہ وہ خود چور ہے۔

اس نے شفو کو یہ دھمکی بھی دی کہ اس نے زیور اسے نہ دیا تو وہ پولیس حوالدار ہے اسے کسی جھوٹے مقدمے میں پھنسا لے گا۔ اس نے شفو سے یہ بھی کہا کہ تھانیدار اپنا یار ہے۔ غفور اور اس کے گھر والوں کی ایک نہیں سنے گا کہ جو زیور انہیں برآمد کر کے دیا جا رہا ہے یہ نقلی ہے۔ ہدایت اللہ نے اسے خاصہ زیادہ رقم دینے کا وعدہ کیا۔ ہدایت اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ قصبے سے پچیس میل دور شہر میں جا کر اصلی زیور بیچے گا اور شفو کو آدھا حصہ دے گا۔

شفو مان گئی۔ اس نے زیور ہدایت اللہ کے حوالے کر دیا۔ ہدایت اللہ اس سنار کے پاس گیا اور اسے اصلی ہار اور کڑے دکھا کر کہا کہ اس کی نقل بنانی ہے اور اوپر سونے کا پانی چڑھانا ہے۔ شفو کو معلوم نہیں تھا کہ ہدایت اللہ نے سونے کے پانی والی چیزیں کہاں سے بنوائی ہیں۔ اس دوران وہ غفور کو بتاتی رہی کہ وہ زلیخا کے گھر ہر روز جاتی ہے لیکن اسے موقع نہیں مل رہا۔

ہدایت اللہ نے اسے نقلی زیور لا کر دے دیا لیکن اس میں انگوٹھیاں نہیں تھیں۔

یہ اس نے شفو کو بطور انعام دیں لیکن شفو نے اس لیے نہ لیں کہ پکڑی جائے گی۔ وہ کہتی تھی کہ اسے رقم دی جائے۔ اس طرح انگوٹھیوں کی نقل نہ بن سکی۔ انگوٹھیاں ہدایت اللہ نے رکھ لیں۔ شفو یہ نقلی ہار اور کڑے اپنے کپڑوں میں چھپا کر زلیخا کے گھر لے جاتی رہی اور موقع دیکھ کر اس کی کوٹھڑی میں سب سے نیچے والی ہانڈی میں رکھ آئی۔ اس نے غفور کو بتایا۔ غفور نے ہدایت اللہ کو بتایا۔ ہدایت نے شفو کو یاد کرایا اور اس طرح مجھ تک رپورٹ پہنچی کہ زیور کا پتہ چل گیا ہے کہ کہاں ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی نہ سوچا کہ یہ صورت پیدا ہو سکتی ہے جو پیدا ہو گئی تھی۔

میں نے شفو اور غفور کے بیان لیے تو ان سے پوچھا کہ انہوں نے اپنے اپنے اقبالی بیان میں ہدایت اللہ کا نام کیوں نہیں لیا تھا؟ دونوں کا جواب تقریباً ایک جیسا تھا۔ وہ ڈرتے تھے کہ ہدایت اللہ ہیڈ کانسٹیبل ہے اس لیے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو گی بلکہ وہ انہیں نقصان پہنچائے گا۔ شفو نے پہلے بیان میں کہا تھا کہ وہ دو دن زلیخا کے گھر زیور لے کر جاتی رہی لیکن اسے تیسرے دن زیور کوٹھڑی میں رکھنے کا موقع ملا۔ دوسرے بیان میں اس نے بتایا کہ وہ زیور کی نقل تیار ہونے تک زلیخا کے ہاں گئی ہی نہیں۔ زیور رکھنے تک کئی دن گزر گئے تھے۔

ہدایت اللہ نے بیان دے کر کہا کہ وہ اصلی زیور لا دیتا ہے۔ میں نے اسے کہا کہ میں خود اس کے ساتھ جاؤں گا۔ وہ بہت تڑپا۔ میں نے برآمدگی کی باقاعدہ کارروائی کی اور زیور بمع انگوٹھیاں برآمد کر کے غفور کے ماں باپ اور بہنوں سے شناخت کرایا۔ اب انہوں نے کہا کہ یہ زیور ان کا ہے۔

کیس بڑا صاف تھا۔ شہادت موجود تھی۔ ہدایت اللہ نے مجسٹریٹ کے سامنے اقبالی بیان دینے سے انکار کر دیا۔ مجھے اس کے اقبالی بیان کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں نے مقدمہ تیار کیا اور عدالت میں پیش کر دیا۔ غفور کو چوری اور

تھانے میں جھوٹی رپورٹ درج کرانے اور ایک شریف عورت کو پریشان کرنے اور بدنام کرنے کے جرم میں چار سال سزائے قید دی گئی۔ یہ سزا مجموعی تھی۔ عملاً اسے دو سال جیل میں رہنا تھا۔ ہدایت اللہ کو مسروقہ سامان اپنے قبضے میں رکھنے اور دھوکہ دہی میں تین سال سزائے قید دی گئی۔ شفو کے خلاف میں نے دانستہ ڈھیلے گواہ پیش کیے تھے لیکن وہ جرم میں شریک تھی اس لیے اسے اعانت جرم میں چھ ماہ سزائے قید دی گئی۔

☆☆☆

موئے تھے وچھڑے کون میلے!

جوان لڑکی کا کسی کے ساتھ لا پتہ ہو جانا جرم نہیں ہوتا بشرطیکہ لڑکی بالغ ہو اور اسے اغوا نہ کیا گیا ہو۔ لڑکی کا لا پتہ ہو جانا کوئی کہانی بھی نہیں ہوتی۔ بس اتنی سی بات ہوتی ہے کہ کوئی لڑکی کسی کو چاہتی ہے اور جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس آدمی کے ساتھ گھر سے نکل جاتی ہے۔ کہانیاں اور ڈرامے اس کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ یہ ڈرامائی داستان بھی جو میں اپ کو سنانے لگا ہوں ایک جوان لڑکی کی گمشدگی کے بعد شروع ہوئی تھی۔

میرے تھانے میں جو گاؤں آتے تھے ان میں ایک گاؤں ذرا بڑا تھا۔ اونچی حویلیوں اور اونچی ذات والوں کے ایک گھر میں سے ایک جوان اور خوبصورت لڑکی لا پتہ ہو گئی۔ اس کی گمشدگی کے ایک روز بعد اس کا باپ بڑا بھائی اور نمبر دار تھانے میں رپورٹ لکھوانے آئے۔ میں نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ لڑکی اٹھائی گئی ہے یا چلی گئی ہے۔ جواب سننے سے پہلے میں ں ے لڑکی کے باپ اور بھائی سے کہا کہ وہ مجھے بالکل صحیح جواب دیں اور مجھے لڑکی کے متعلق ہر ایک بات بالکل صحیح بتائیں۔ باپ نے بتایا کہ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ جیسے لڑکی خود گئی ہے۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ گھر سے کچھ زیور اور نقدی جو پانچ وار دس روپے کے نوٹوں کی شکل میں تھی غائب ہے۔

میں نے جب لڑکی کی عمر پوچھی تو باپ نے اٹھارہ انیس سال بتائی۔ یعنی لڑکی بالغ تھی۔ میں نے کہا کہ وہ رپورٹ لکھوانا چاہتے ہیں تو میں لکھ لوں گا۔ لیکن نظر یہی آتا ہے کہ لڑکی باقاعدہ تیاری کر کے کسی کے ساتھ گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس آدمی کے ساتھ مجسٹریٹ کے پاس چلی جائے اور بیان دے دے کہ وہ اپنی مرضی سے آئی ہے۔

''لیکن ملک صاحب!''...... نمبر دار نے کہا ...... یہاں معاملہ کچھ اور معلوم

ہوتا ہے ان کا نوکر بھی لاپتہ ہے اور ان کا بڑا اچھا کتا جو رات کو رکھوالی کے لیے گھر سے باہر کھلا رہتا ہے وہ بھی غائب ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نوکر کی بد معاشی ہے اور وہ زیور اور نقدی کا چور ہے''۔

''کیا نوکر بد معاش قسم کا آدمی تھا؟''......میں نے پوچھا

ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر تینوں نے باری باری مجھے بتایا کہ نوکر بد معاش نہیں تھا۔

''جناب **ملک** صاحب''......لڑکی کے باپ نے کہا......''ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ نوکر اتنی ذلیل حرکت اتنی زیادہ دلیری سے کرے گا۔

نوکر کے متعلق میں نے ان سے بہت ساری باتیں پوچھیں ان سے یہی پتہ چلتا تھا کہ یہ نوکر سیدھا سادا سا دیہاتی تھا۔ دبلا پتلا تھا اور اسکا رنگ گہرا سانولا تھا۔ میں نے ان لوگوں کے جوابوں سے یہ اندازہ لگایا کہ نوکر اس قابل نہیں تھا کہ اونچے خاندان کی اتنی خوبصورت لڑکی اس کے ساتھ گھر سے نکل جاتی ۔ مجھے یہ خیال آیا کہ لڑکی کسی امیر کبیر آدمی کے ساتھ گئی ہے اور ان دونوں کے درمیان ملاقاتوں وغیر کا ذریعہ نوکر تھا اور لڑکی نوکر اور کتے کو خود ساتھ لے گئی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ لڑکی جس کے پیچھے گئی ہے وہ کوئی بڑا جاگیر دار یا نواب قسم کا آدمی ہو گا۔ اس نے لڑکی سے کہا ہو گا کہ نوکر کے ساتھ آجانا۔

میں نے بے دلی سے رپورٹ درج کر لی اور ان لوگوں سے لڑکی نوکر اور کتے کا تفصیلی حلیہ معلوم کر کے لکھ لیا۔۔ یہ حلیہ مجھے دوسرے تھانوں کو اشتہار شور وغوغا کے ذریعے بھیجنا تھا۔ اس واردات کی جو دیگر کاغذی کارروائیاں ہوتی ہیں ۔ میں نے گمشدہ لڑکی کے باپ اور بھائی کو الگ کر کے لڑکی کے متعلق معلوم کیا انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ لڑکی نیک چلن اور سیدھی طبیعت کی تھی ۔ میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ان کے بعد میں نے نمبردار سے پوچھا۔ اس نے ذرا تفصیل سے بتایا۔ لڑکی خاصی شوخ اور ہوشیار تھی۔ چال چلن کی ٹھیک تھی۔ کوئی ایسا ثبوت یا اشارہ نہیں ملتا تھا جس سے یہ پتہ چلتا کہ فلاں شخص کے ساتھ اس کے اچھے یا برے مراسم ہیں۔ میرے پوچھنے پر نمبردار نے بتایا کہ لڑکی میں گھر سے کسی کے ساتھ بھاگ جانے کی جرات موجود تھی۔

میں نے تینوں کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ میں اگلے روز ان کے گاؤں آؤں گا۔ یہ ایسی واردات نہیں تھی کہ میں فوراً اٹھ کر دوڑتا۔ ان لوگوں نے خود ہی مجھے بتایا تھا کہ لڑکی اٹھائی نہیں گئی۔ خود گئی ہے۔ میں نے اس روز صرف کاغذی کارروائی کی اور اشتہار شور و غوغا جہاں جہاں بھجوانا تھا تحریر کروا کے بھجوا دیا۔ لڑکی پر زیادہ سے زیادہ یہ کیس بنتا تھا کہ وہ زیورات اور نقدی لے گئی ہے لیکن وہ اس کا اپنا گھر تھا اور اس مال کو وہ اپنا مال کہہ سکتی تھی۔ نوکر نے درمیان میں آ کر معاملہ ذرا بدل ڈالا تھا۔ میں نے اس کے خلاف یہ کیس بنا سکتا تھا کہ رقم اور زیور اس نے چوری کیے ہیں۔ لیکن لڑکی کا صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوتا کہ یہ مال اس نے خود گھر سے نکالا ہے اور یہ اس کی اپنی ملکیت ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ ماں باپ کے لیے یہ معاملہ جتنا بھی سنگین تھا۔ قانون کے لیے یہ کچھ بھی نہیں تھا۔ آخر میں نتیجہ صفر ہی نکلنا تھا۔

☆☆☆

نوابوں کے ہاں جا پہنچتی ہیں

میں اگلے روز لڑکی کے گاؤں صرف اس لیے چلا گیا کہ مجھے اس کیس کی فائل میں کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی تھا اور لڑکی کے والدین کو یہ تاثر دینا تھا کہ میں تفتیش کر رہا ہوں۔ یہ گاؤں میرے تھانے کے قصبے سے تین میل سے کچھ زیادہ ہی دور تھا۔ گاؤں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آبادی تقریباً برابر تھی۔ سکھوں کی آبادی بہت تھوڑی تھی۔ چھوٹی بڑی زمینداریاں زیادہ تر مسلمانوں کی تھیں۔ تین چار بڑے زمیندار ہندو بھی تھے۔ یہ بتانے سے میرا مطلب یہ ہے کہ گاؤں پر مسلمانوں کا غلبہ تھا اور ان کے تین چار خاندان گاؤں کے حاکم تھے۔ یہ لڑکی ان تین چار خاندانوں میں سے ایک خاندان کی تھی۔ یہ اونچی ذات کے لوگ تھے۔

میں نے لڑکی کے گھر جا کر سارے مکان کو اندر سے دیکھا۔ یہ بہت بڑی حویلی تھی۔ اس کے ایک حصے پر بالائی منزل بھی تھی۔ نوکر مویشیوں والے کمرے کے ساتھ ایک کوٹھڑی میں سوتا تھا۔ لڑکی عام طور پر اپنے گھر کے افراد کے ساتھ سوتی تھی۔ لیکن دو تین راتوں سے وہ اوپر کی منزل میں سو رہی تھی۔ سردیوں کے دن تھے۔ لوگ اندر کمروں کے دروازے بند کر کے سوتے تھے۔ لڑکی کے لیے رات کو نکل جانا مشکل نہیں تھا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ اوپر کی منزل پر آنے جانے کے لیے ایک بڑی سیڑھیاں سامنے اور پیچھے تنگ سیڑھیاں تھیں۔ لڑکی کے گھر والوں نے بتایا کہ صبح انہوں نے دیکھا کہ حویلی کا باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لڑکی کی ماں کے ساتھ ہی باتیں ہوئیں۔ وہ تو روتی اور صاف کہتی تھی کہ لڑکی نے ان کے خاندان کی عزت ملیامیٹ کر دی ہے۔ میں نے اسے پوچھا کہ اسے کس پر شک ہے۔ اس نے کہا کہ لڑکی نے کچھ پتا ہی نہیں چلنے دیا۔

میں نمبردار کے گھر جا بیٹھا۔ میں نے وہاں بہت سے افراد سے پوچھ گچھ کی۔ ان میں باقاعدہ اور بے قاعدہ مخبر بھی تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی نہ کہا کہ لرکی کا

چال چلن مشکوک تھا۔ کسی آدمی پر شک کا اظہار نہ کیا گیا۔ نوکر کے متعلق ہر کسی نے کہا کہ وہ تو بدھو سا آدمی تھا۔ اس کی عمر تئیس چوبیس سال بتائی گئی تھی۔ سب اسے بدصورت کہتے تھے۔ اس میں جوانی کی شوخی تو تھی ہی نہیں۔ میں نے جس سے بھی پوچھا کہ یہ کہاں تک ممکن ہوسکتا ہے کہ لڑکی نوکر کے ساتھ چلی گئی ہو وہ ہنس پڑا۔ مجھے اس قسم کے جواب ملے کہ اس کے ساتھ تو گاؤں کی کوئی بدصورت لڑکی بھی نکلنے کے لیے تیار نہ ہوگی۔ وہ تو مویشیوں جیسا تھا۔ کام کیا روٹی کھائی اور سو گیا۔ وہ دیانتدار اور وفادار نوکر تھا۔ ایسا بھی نہیں کہ ہر وقت لڑکی کے ساتھ رہتا ہو۔ ایک آدمی نے جو لڑکی کا ماموں یا چچا تھا کہا کہ یہ آدمی تو رکھوالی کے کتے جیسا تھا جو چوروں کو بھگا دیتا ہے خود چوری نہیں کیا کرتا۔

دو معزز آدمیوں نے جن کا لڑکی کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا۔ کہا کہ یہ بڑے زمیندار خاندان اپنے آپ کو شاہی خاندان سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں شادی ہو تو مجرا کرواتے ہیں۔ اوچھے طریقوں سے اپنی امیری کا اظہار کرتے ہیں۔ روپے پیسے سے اپنے کرتوت چھپا لیتے ہیں۔ ان کی اپنی روایات ہیں۔ اس لڑکی کی خالہ کی منگنی گاؤں میں ہوئی اور وہ کسی کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی تھی۔ دس بارہ سال گزرے اس خاندان کی ایک اور لڑکی کسی کے ساتھ گھر سے چلی گئی تھی۔ ان دونوں نے جاگیرداروں کے ہاں شادی کر لی تھی۔ اب یہ لڑکی بھاگ گئی ہے تو کوئی عجیب واقعہ نہیں ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ اس خاندان کی کوئی عورت بدچلن نہیں نکلی لیکن جس گھر سے نکلنا چاہا بڑی دلیری اور صفائی سے نکل گئی۔

''دراصل **ملک** صاحب''...... اس گاؤں کے ایک اور صاحب حیثیت آدمی نے کہا...... ''اس برادری کی لڑکیاں شہزادیاں اور رانیاں بننے کے خواب دیکھا کرتی ہیں۔ گاؤں میں شہزادیاں بنی رہتی ہیں لیکن حقیقت کچھ اور ہوتی ہے اس لیے بڑے جاگیرداروں اور نوابوں کے ہاں جا پہنچتی ہیں۔

ان سب لوگوں نے دراصل میرے ہی اس خیال کی تائید کی کہ یہ کیس اپنے اے ایس آئی کے سپرد کر دوں گا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ کیس مرتا چلا جائے گا۔ مجھے امید تھی کہ دو تین مہینوں تک کہیں نہ کہیں سے یہ خبر آ جائے گی کہ لڑکی نے فلاں گاؤں میں اسی آدمی کے ساتھ شادی کر لی ہے جس کے ساتھ وہ گئی تھی۔

تھانے جا کر یہ کیس اے ایس آئی کے حوالے کرنے لگا تو پتہ چلا کہ اس کے پاس پہلے ہی کچھ زیادہ کیس اکٹھے ہو گئے ہیں۔ میں نے یہ کیس اپنے پاس ہی رہنے دیا۔ اے ایس آئی سے کہا کہ اس کے پاس صرف اس طرف کے ایک دو کیس ہیں۔ وہ جب بھی ان کی تفتیش کے لیے ادھر جائے تو ایک آدھ ضمنی اس کیس کی بھی بنا لیا کرے۔

☆☆☆

کتے اور پاگل کا پیار

پانچ چھ دن گزر گئے۔ یہ کیس میرے ذہن میں سے تقریباً اتر گیا۔ میرے ساتھ والے تھانے سے اطلاع آئی کہ اشتہار شوروغوغا جس نوکر اور جس کتے کا حلیہ لکھا گیا تھا وہ دونوں ایک گاؤں میں موجود ہیں۔ اس تحریری اطلاع میں یہ بھی تحریر تھا کہ نوکر اگر وہی ہے یا وہ جو کوئی بھی ہے وہ بظاہر پاگل لگتا ہے۔ اپنا نام بھی نہیں بتاتا اور یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔

اس اطلاع نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ میں آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ پولیس کے کاغذات میں جو حلیہ لکھا جاتا ہے اس میں انتہائی باریکیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔ میں جانتا تھا کہ تھانیدار نے صرف شک پر اطلاع نہیں دی۔ اس نے اپنا شک رفع کرنے کے لیے اطلاع بھیجی ہے۔

وہ گاؤں جہاں نوکر اور کتا پالے گئے تھے لڑکی کے گاؤں سے تین سوا تین میل آگے تھا اور وہ دوسرے تھانے کے علاقے میں آتا تھا۔ اگر ایک علاقے کی واردات کی تفتیش دوسرے علاقے کے تھانے میں پہنچ جائے تو دستور کے مطابق دونوں تھانیدار مل کر تفتیش کرتے ہیں لیکن یہ پولیس کا ایک ضابطہ ہے عملی طور پر وہی تھانیدار تفتیش کرتا ہے جس کے علاقے میں واردات ہوتی ہے۔

میں اس اطلاع پر اپنے ساتھ ضروری عملہ لے کر روانہ ہو گیا۔ گمشدہ لڑکی کا گاؤں راستے میں پڑتا تھا۔ وہاں سے لڑکی کے باپ اور اسکے بڑے بھائی کو ساتھ لے لیا۔ نوکر اور کتے کی شناخت کے لیے دونوں کا ساتھ ہونا ضروری تھا۔

پہلے ہم اس علاقے کے تھانے میں گئے۔ وہاں کے تھانیدار نے اپنا ایک کانسٹیبل میرے ساتھ بھیج دیا۔ میں اس گاؤں میں پہنچا وہ چھوٹا سا ایک گاؤں تھا جس کا اپنا نمبردار تھا۔ سب سے پہلے تو میں نے نمبردار سے پوچھا اس نے بتایا کہ اس گاؤں کے دو تین آدمی تین چار دن گزرے بڑی اچھی نسل کا ایک کتا لائے

ہیں۔ کہنے لگے کہ یہ خرید کر لائے ہیں۔ اس سے ایک دو دن پہلے جوان سا ایک آدمی گاؤں میں آیا۔ وہ پاگل معلوم ہوتا تھا۔ گاؤں کا جو آدمی اس کے قریب جاتا اس کے آگے وہ ہاتھ پھیلاتا پھر ہاتھ اپنے منہ کی طرف لے جاتا۔ اس کا یہ اشارہ سب سمجھتے تھے کہ وہ بھوکا ہے۔ دو تین گھروں سے اسے روٹی مل گئی۔

''جناب ملک صاحب!''...... نمبردار نے مجھے بیان دیتے ہوئے کہا...... ''میں نے اسے روٹی کھاتے دیکھا اس کے ہاتھ میں دو آدمیوں جتنی روٹی تھی۔ روٹی کے ساتھ ساگ تھا۔ وہ بڑی تیزی سے ساری روٹی کھا گیا جس سے پتہ چلتا تھا کہ کئی دنوں سے بھوکا ہے۔ اس نے اشارے سے پانی مانگا۔ وہ پانی کے دو پیالے پی گیا۔ اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آیا ہے تو اس نے اس طرح ہاتھ پھیلائے اور ہلائے جیسے اسے کچھ پتہ نہیں......

یہ آدمی ہمارے لیے عجیب چیز نہیں تھا صاف ظاہر تھا بیچارہ پاگل ہے۔ لیکن عجیب چیز یہ دیکھی کہ دو آدمی کتا خرید کر لائے تھے ان میں سے ایک اس کتے کو باہر لے آیا۔ کتا اس کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ میں آپ کو وہ کتا دکھاؤں گا بڑا خونخوار کتا ہے...... کتے کو دیکھ کر لوگ دور ہٹ گئے کیونکہ وہ ہر کسی کو کاٹنے کے لیے لپکتا تھا۔ اس آدمی نے کتے کو پٹے سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ کتے کو ویسے ہی اس پاگل کے قریب لے گیا۔ کسی نے دور سے کہا کہ کتے کو پیچھے رکھو اس جھلے کو کھا جائے گا۔ کتے والے نے اس آدمی کی طرف دیکھا جس نے یہ بات کہی تھی۔ عین اسی وقت کتے نے زور دیا تو پٹہ اس آدمی کے ہاتھ سے نکل گیا۔ کتا دوڑ کر پاگل کے پاس گیا۔ میں بھی دیکھ رہا تھا۔ اللہ کی قسم ملک صاحب! میں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ مجھے سولہ آنے یقین تھا کہ کتا اس پاگل کو چیر پھاڑ دے گا۔ پاگل اس سے ڈر کر بھاگا نہیں......

''میں نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے تو یہ عجوبہ دیکھا کہ کتا پاگل کے گرد اس

طرح پھر رہا تھا کہ اپنا جسم اس کے ساتھ رگڑ تا تھا اور اس کی دم اس طرح ہل رہی تھی جس طرح کتے اپنے مالکوں کو دیکھ کر دم ہلاتے ہیں۔

......ہاتھ چاٹے اور اس کے منہ سے منہ بھی لگایا......

کتے کے مالک نے آگے ہو کر اس کا پٹہ پکڑا۔ کتا بڑی خوفناک آواز میں غرایا اور اس کے ہاتھ سے پٹہ چھڑانے لگا۔ ادھر سے اس آدمی کا بھائی آ گیا۔ اس نے بھی کتے کو اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کی لیکن کتا انکے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ کتے کو گھسیٹ کر پرے لے گئے تو کتا اور زیادہ خونخوار ہو گیا۔ انہوں نے ڈر کر کتے کو چھوڑ دیا۔ کتا پھر دوڑ کر پاگل تک گیا اور اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اس کے دونوں مالک اس کی طرف گئے تو کتا غراتا ہوا اٹھا وہ پیچھے ہٹ گئے......

مجھے پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ کتا جس وقت اس گھر میں آیا ہے کسی کو قریب نہیں آنے دیتا۔ میں ان کے گھر گیا اور کتے کے متعلق بات کی۔ انہوں نے بتایا کہ یہ جس مرد یا عورت کو دیکھتا ہے اس پر بڑے غصے سے غراتا ہے۔ میں خود کتے کے پاس گیا اور اس کے سر اور گردن پر ہاتھ پھیرنے کی کوشش کی تو کتا مجھے کاٹنے کو آ گیا۔ اگر وہ بندھا نہ ہوتا تو وہ مجھے کاٹ لیتا۔ میں نے ان دونوں بھائیوں سے کہا کہ یہ کتا بہت خطرناک ہے ہو سکتا ہے اس پر باؤلے پن کا کچھ اثر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیچنے والوں نے اتنی اچھی نسل کا کتا اسی خطرے کو دیکھ کر بیچا ہو۔ میں نے انہیں کہا کہ وہ اس کتے کو چھوڑ دیں یا اسے مار ڈالیں۔ اب ہم اسی کتے کو دیکھ رہے تھے کہ وہ اس پاگل سے اتنا پیار کر رہا تھا......

''ہمارے گاؤں میں ایک بہت بوڑھا آدمی ہے جس کی جوانی کتے پالتے اور لڑاتے گزری ہے۔ اس نے ان بھائیوں سے کہا کہ اس پاگل کو اپنے گھر میں رکھ لو۔ یہ جو اسکے ساتھ پیار کرتا ہے یہ خدا کی ایسی قدرت ہے جسے ہم تم نہیں سمجھ سکتے۔ اس پاگل کو جب کہا کہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ ان کے گھر چلے جاؤ تو

ہوا اٹھ کر چل پڑا۔ کتا بھی اس کی ٹانگوں کے ساتھ جسم رگڑتا ہوا چل پڑا۔ اس روز سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ صرف یہ شخص ہے جس کے آگے کتا لیٹ جاتا ہے۔ اس کے پاؤں پر لوٹ پوٹ ہوتا ہے اور سب اس پر حیران ہوتے ہیں کہ جسے ہم پاگل سمجھتے ہیں وہ سارے کام کرتا ہے مثلاً مویشیوں کو چارہ ڈالتا ہے اور اسی طرح کوئی بھی کام جو اسے دیا جاتا ہے وہ کرتا ہے لیکن پیچھے پڑ کر پوچھتے رہو کہ تمہارا نام کیا ہے کہاں کے رہنے والے ہو یہ حیران ہو کر پوچھنے والے کے منہ کی طرف دیکھتا رہتا ہے یا یہ کہتا ہے ...... پتہ نہیں ...... بولتا ہے لیکن بہت کم‘‘۔

یہ پاگل اور یہ کتا اس طرح پہچانے گئے کہ اس تھانے کا ایک ہیڈ کانسٹیبل کسی تفتیش یا کام کے سلسلے میں اس گاؤں آیا۔ اس وقت یہ پاگل اور کتا گھر سے باہر تھے۔ ہیڈ کانسٹیبل کی نظر پہلے کتے پر پڑی پھر اسنے پاگل کو دیکھا۔ نمبردار نے مجھے بتایا کہ وہ ہیڈ کانسٹیبل کے ساتھ تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل کتے کو بہت غور سے دیکھتا رہا۔ اس نے کتے کے مالک کو بلایا اور پوچھا کہ کس سے خریدا ہے۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ بیچنے والا اسے راستے میں ملا تھا۔ اس نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اس کا نام کیا ہے اور وہ کون سے گاؤں کا ہے۔

پھر ہیڈ کانسٹیبل نے پاگل کو بڑے غور سے دیکھا اس کا نام پوچھا۔ پاگل نے کہا کہ اسے پتہ نہیں۔ نمبردار نے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا ک وہ اتنا کرید کرید کر کیوں پوچھ رہا ہے۔ ہیڈ کانسٹیبل نے کہا کہ ویسے ہی پوچھا ہے۔ اسے شاید کتا اچھا لگا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے اپنے تھانیدار کو جا کر بتایا کہ اشتہار شوروغوغا میں جس کتے اور نوکر کا ذکر تھا ان دونوں کو اس نے اس گاؤں میں دیکھا ہے۔ تھانیدار عقلمند آدمی تھا اس نے گاؤں خود جا کر ان دونوں کو اس خطرے کی وجہ سے نہ دیکھا کہ گاؤں میں شک پیدا ہو جائے گا اور کتے کو بھی اور اس آدمی کو بھی غائب کر دیا جائے گا۔ اس نے مجھے اطلاع دے دی۔

میرے کہنے پر نمبردار مجھے کتے والے گھر لے گیا۔لا پتہ لڑکی کا باپ اور بھائی بھی میرے ساتھ تھے۔ میں نے اس گھر میں جاتے ہی کہا کہ کتے اور پاگل کو میرے سامنے کرو۔فوراً ہی ایک دبلا پتلا اورمریل سا آدمی کتے کے ساتھ میرے سامنے آ گیا۔ کتے نے لڑکی کے باپ اور بھائی کی طرف دیکھا اور پیار کی آوازیں نکالتا ہواان کے قریب چلا گیا۔

☆☆☆

لڑکی زیور اور رقم دے دو

لاپتہ لڑکی کے باپ اور بھائی نے پہلے تو کتے کو پہچانا پھر انہوں نے اپنے نوکر کو پہچان لیا۔ لڑکی کا بھائی چہرے پر قہر لیے نوکر کی طرف لپکا۔ اس نے ہاتھ اس طرح آگے کر رکھے تھے کہ جیسے پاگل ہے اس نوکر کو یہ ناخنوں سے چیر پھاڑ دے گا۔ لڑکی کے باپ نے بڑی ننگی گالی دے کر کہا...... "سر کھول دو اس کا...... میں دونوں کے آگے ہوا اور انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ نوکر کو دیکھا وہ چپ چاپ کھڑا تھا۔ باپ بیٹا میرے ڈر سے رک گئے ورنہ نوکر اور ان دو بھائیوں پر جن کا یہ گھر تھا بری طرح ٹوٹ پڑتے
۔

"تمھارا نام کیا ہے...... میں نے نوکر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

اس نے گردن کو ذرا سا خم دے کر سر یوں ہلایا جس کا مطلب تھا کہ اسے اپنا نام معلوم نہیں۔ میں نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر زور سے ہلایا اور پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے اور یہاں کیوں آیا ہے۔ اب اس کے چہرے پر خوف کا تاثر گہرا ہو گیا اور اس کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ کھل گئی تھیں۔ اس نے ان دونوں بھائیوں کی طرف دیکھا جنہون نے اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

"مکرا ہے"...... لڑکی کے باپ نے کہا۔

"جناب آپ ذرا پیچھے ہٹ جائیں"...... لڑکی کا بھائی بولا...... "یہ ابھی بول پڑے گا اپنے باپ کا نام بھی بتائے گا"۔

جو کام مجھے کرنا تھا وہ میں ان سے نہیں کروا سکتا تھا۔ میں نے نوکر اور ایک بھائی کو کانسٹیبلوں کے حوالے کیا اور دوسرے بھائی کو اپنے ساتھ لے کر انہیں کی ڈیوڑھی میں چارپائی منگوا کر بیٹھ گیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ ان لوگوں کا نوکر اور کتا یہاں کس طرح پہنچا ہے؟

"کتا ہم دونوں بھائیوں نے خریدا تھا"...... اس نے جواب دیا۔

''کس سے؟''

''ہم دونوں بھائی کہیں جارہے تھے''......اس نے جواب دیا......راستے میں ایک آدمی ملا۔ اسکے پاس یہ کتا تھا ہم نے اس سے پوچھا کہ وہ کتا بیچنا چاہتا ہے۔ اسنے جواب دیا کہ اسے اچھی رقم مل جائے تو وہ بیچ دے گا ہم نے اسے دس روپے کہے۔ اس نے پندرہ مانگے۔ آخر اس نے بارہ روپے پر کتا ہمیں دے دیا۔

''کون تھا وہ آدمی؟''......میں نے پوچھا۔

''یہ معلوم نہیں''......اس نے جواب دیا......''ہماری طرح وہ بھی کہیں جارہا تھا اور ہمیں راستے میں ملا تھا''۔

نوکر کے متعلق وہی بات بتائی جو نمبردار مجھے بتا چکا تھا یعنی یہ شخص ہمارے گاؤں میں آیا اور اس نے دو تین گھروں سے روٹی مانگی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اسے انہوں نے اس لیے اپنے گھر رکھ لیا ہے کہ کتا اس کے ساتھ پیار کرتا ہے۔ میں نے اس بھائی کو اپنے کانسٹیبلوں کے حوالے کر کے دوسرے بھائی کو بلایا۔ اس سے بھی یہی سوال کیے اس کے جواب بالکل یہی تھے۔ لیکن اس نے کتے کی قیمت پندرہ روپے بتائی جو انہوں نے دی تھی۔

''لیکن تمہارا بھائی کہتا ہے کہ تم لوگوں نے یہ کتا اٹھارہ روپے میں خرید تھا''......میں نے اسے چکر دینے کے لیے کہا۔

''ہاں ہاں جناب عالی......اس نے کہا......''مجھے یاد نہیں آرہا قیمت اٹھارہ روپے ہی تھی''۔

اس شخص نے اپنے خلاف شک پکا کر دیا تھا۔ میں نے اس سے نوکر کے متعلق پوچھا تو اس نے بالکل وہی جواب دیا جو اس کا بھائی پہلے ہی دے چکا تھا۔ مجھے اب زیادہ سوال جواب کی ضرورت نہیں تھی۔

''دیکھو میرے دوست''...... میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور ذرا ہلا کر کہا...... ''تم جسے جرم سمجھ رہے ہو وہ دراصل جرم نہیں ہے ایسے کرو لڑکی اس کا زیور اور جو رقم ساتھ لائی ہے وہ میرے حوالے کر دو''۔

وہ یوں اچھلا جیسے اسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ اس کا منہ کھل گیا۔

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس معاملے کو یہیں ختم کرا دوں گا''۔

میں نے کہا...... ''لڑکی کا باپ اور بھائی ساتھ ہیں میں ان کے ساتھ تمہارا راضی نامہ کرا کے اٹھوں گا''۔

اس کی تو جیسے زبان ہی بند ہو گئی تھی۔ میں نے اسے زور زور سے ہلایا تب اس کی زبان ذرا سی رواں ہوئی۔

''نہیں جناب!''......اس نے ہکلاتے ہوئے کہا...... ''ہمارے پاس کوئی لڑکی نہیں۔ ان دونوں آدمیوں نے جو آپ کے ساتھ آئے ہیں میں جانتا تک نہیں''۔

میں نے اس پر بہت جرح کی اور بہت کچھ کہا لیکن وہ اپنے انکار پر قائم رہا۔ میں نے اسے کانسٹیبلوں کے حوالے کر کے اس کے بھائی کو بلایا۔

''تم کہتے ہو کہ تم نے کتا بارہ روپے کا خریدا ہے''...... میں نے کہا...... ''اور تمہارا بھائی کہتا ہے کہ اٹھارہ روپے میں خریدا ہے۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم دونوں میں سے سچا کون ہے''۔

وہ کچھ دیر سوچ میں پڑا رہا اور میں اس کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔ اچانک اس کے چہرے پر ذرا چمک سی آئی اور اس نے کہا...... ''دراصل جی بات یوں ہوئی تھی کہ جب سودا ہو رہا تھا تو میرا بھائی ذرا پرے کھڑا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ میں نے کتنے پیسے دیے ہیں''۔

''تم نے کتے کا ایک پیسہ بھی نہیں دیا''...... میں نے کہا...... ''اصل بات تمہارے بھائی نے بتا دی ہے تم اب یوں کرو کہ لڑکی بمع زیور اور رقم میرے حوالے

کر دو''۔

اس کا بھی وہی حال ہوا جو اسے کے بھائی کا ہوا تھا۔ یہ بڑا بھائی تھا اور کچھ عقل مند نظر آتا تھا۔ یہ شخص جلدی سنبھل گیا۔ میں نے اسے ایک بار پھر کہا کہ وہ سچی بات بتا دے۔ اور میں یہ معاملہ یہیں گول کر دوں گا۔

''سچی بات یہ ہے جناب عالی''......اس نے کہا...... ''ہمیں یہ کتا آوارہ پھرتا ہوا نظر آیا تھا۔ آپ اسے چوری کہہ دیں۔ دور دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ ہم اپنے گاؤں کو واپس آ رہے تھے۔ ہم نے کچھ دیر دیکھا کہ کتے کا مالک کہیں سے آتا ہے یا نہیں۔ جب کوئی بھی کتا نظر نہ آیا تو ہم نے کتے کو پکڑ لیا اور گاؤں لے آئے۔ گاؤں میں آتے ہیں اس نے ہم پر بھونکنا اور غرانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اس نے نوکر کے متعلق وہی بات بتائی جو میں پہلے سن چکا تھا۔

یہ ایک نیا جھوٹ تھا جو اس نے بولا تھا۔ اس قسم کے ملزموں سے تھانے میں بہتر طریقے سے تفتیش کی جا سکتی ہے۔ میں نے وہاں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ضروری کارروائی یہ تھی کہ اس گھر کی تلاشی لینی تھی۔ ان کی عورتوں کا زیور نکال کر لڑکی اور باپ اور بھائی کو دکھایا جسے وہ شناخت نہ کر سکے۔ ان دونوں کو میں نے گرفتار نہ کیا۔ اپنے کانسٹیبلوں کے حوالے کر دیا۔ کتے کی برآمدگی کی کاغذی کارروائی کی جس پر گواہوں کے انگوٹھے لگوائے۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ صبح کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ مجھے وقت کا ذرا سا بھی احساس نہ تھا۔ میں یہی محسوس کر رہا تھا کہ میرا سر چکرا رہا ہے۔ کام ختم ہونے تک چار بج گئے۔ میں نمبردار کے گھر جا کر لیٹ گیا۔ مجھے تھوڑی سی دیر کی نیند کی ضرورت تھی۔ نمبردار نے میرے سٹاف اور لڑکی کے بھائی اور باپ کے لیے چارپائیوں کا انتظام فوراً کر دیا۔ دونوں مشتبہوں اور نوکر پر میں نے پہرہ کھڑا کر دیا۔

☆ ☆ ☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
اقبال سائبر لائبریری
©2002-2006

یہ میری بیٹی کی لاش ہے

مجھے نمبر دار نے جگایا۔ اس نے جگانے کی معافی مانگی اور ایسی خبر دی جس نے میری نیند اڑا دی۔

''ملک صاحب!''...... اس نے سرگوشی میں مجھے بتایا...... ''ایک لاش کی اطلاع آئی ہے''۔

''یہ میرا تھانہ نہیں''...... میں نے کہا...... ''اپنے تھانے میں اطلاع کرو''۔

''یہ تو میں بھی جانتا ہوں حضور''...... نمبر دار نے کہا...... ''آپ کو اطلاع اس لیے دی ہے کہ لاش ایک نوجوان لڑکی کی ہے۔ میں نے سوچا کہ ہوسکتا ہے لاش اسی لڑکی کی ہو جسے آپ برآمد کرنا چاہتے ہیں۔ اتفاق سے لڑکی کا باپ اور بھائی بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ بھی چل کر لاش دیکھ لیں۔ انہیں بھی دکھا دیں۔ اپنے تھانے میں اطلاع کرنے کے لیے میں نے چوکیدار کو بھیج دیا ہے''۔

نمبر دار کا خیال درست ہوسکتا تھا۔ میرے ذہن میں بھی یہ بات آئی کہ جب میں اس گاؤں میں آیا تھا تو لڑکی اس گاؤں میں موجود تھی۔ جن کے پاس یہ لڑکی تھی انہوں نے جب دیکھا کہ میں نے دونوں بھائیوں کو پکڑ لیا ہے تو انہوں نے لڑکی کو قتل کر دیا اور اس کی لاش کہیں پھینک آئے۔ میرے لیے یہ لازمی ہو گیا تھا کہ میں لاش دیکھوں۔ ورنہ میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا کیونکہ یہ دوسرے تھانے کی واردات تھی۔

میں لاپتہ لڑکی کے باپ اور بھائی کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ جس آدمی نے لاش دیکھی تھی وہ چوکیدار کے ساتھ تھانے چلا گیا تھا۔ نمبر دار نے پوچھ لیا تھا کہ وہ لاش کس جگہ پڑی ہے۔ نمبر دار مجھے ایک میل سے کچھ زیادہ دور ایسے علاقے میں لے گیا جہاں کھڈ تھے اور وہ ساری زمین ڈھول والی تھی۔ وہاں ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس نے ہمیں دور سے اشارہ کیا۔ یہ نمبر دار کا انتظام تھا کہ اس نے لاش پر پہرے کے

لیے ایک آدمی بھیج دیا تھا۔

لاش ایک کھڈ میں پیٹھ کے بل پڑی تھی۔

''یہی ہے''...... مجھے اپنے قریب سے آواز سنائی دی۔ میں نے ادھر دیکھا لڑکی کا باپ کہہ رہا تھا...... ''میری بیٹی کی لاش ہے''

میں نے لڑکی کے بھائی سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ اس کی بہن کی لاش ہے۔ اس نے کہا...... ''اس نے خاندان کے منہ پر کالک تو مل دی ہے لیکن اچھا ہوا کہ ماری گئی ہے''۔

زمین کھروں کے لیے موزوں تھی کیونکہ ڈھول تھی۔ سردیوں کی بارشیں ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں۔ مجھے کھوجی کی ضرورت تھی۔ کھوجی مجھے اس تھانے سے ہی مل سکتا تھا۔ میں نے سب کو پرے کر دیا اور میں نے کھڈ کے کنارے کو غور سے دیکھا۔ بڑے صاف کھرے دکھائی دیے۔ کھڈ میں بھی کھرے تھے۔ میں کھڈ میں اتر گیا اور کھروں کا خاص خیال رکھا کہ میرے پاؤں کے نیچے نہ آ جائیں۔

لاش کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر پیچھے یعنی گردن کی پشت پر ایک گانٹھ دی گئی تھی۔ لاش کی حالت بتاتی تھی کہ اسے چند گھنٹے پہلے قتل کیا گیا ہے۔ چہرہ ابھی تروتازہ تھا۔ لڑکی واقعی خوبصورت تھی۔ میں نے اس کی شلوار قمیص دیکھی اور نظری معائنہ کیا۔ معلوم یہی ہوتا تھا کہ مقتولہ کو صرف قتل کیا گیا ہے اس کی عصمت پر حملہ نہیں کیا گیا۔

میں حیران اس پر ہوا کہ لاش کے کانوں میں جھمکے' ایک کلائی میں سونے کا ایک وزنی کڑا اور انگلی میں انگوٹھی تھی۔ قاتل نے اتنا قیمتی زیور اتارا نہیں تھا۔ یہ بھی ثابت ہوتا تھا کہ لڑکی لاپتہ ہونے کے کئی روز بعد قتل کیا گیا ہے اس کے پاؤں میں جوتی تھی۔

میں اس علاقے کے تھانیدار کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ تفتیش ہم دونوں کو مل کر کرنی

تھی کیونکہ گمشدہ لڑکی کی رپورٹ میرے پاس تھی اور اس کی لاش دوسرے تھانیدار کے علاقے سے برآمد ہوئی تھی۔ مجھے اس تھانیدار کا انتظار تقریباً ایک گھنٹہ کرنا پڑا۔ وہ رہتک کے علاقے کا ہندو تھا۔

ہم ایک دوسرے کو پہلے سے بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ آیا تو میں نے اسے بتایا کہ یہ اسی لڑکی کی لاش ہے جسے میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔ وہ جانتا تھا کہ اسے بھی میرے ساتھ تفتیش کرنی پڑے گی۔ اس نے مجھے منت کے لہجے میں کہا کہ اس کے پاس بہت ہی زیادہ کام ہے اور اس کا اے ایس آئی نالائق سا آدمی ہے۔

''تمہارا مطلب ہے کہ تفتیش میں اکیلا کروں''...... میں ل ے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''ہاں ملک صاحب''......اس نے کہا...... ''اکیلے ہی لگے رہو۔ کاغذوں میں ہم لکھیں گے کہ تفتیش ہم دونوں کر رہے ہیں۔ تم جس طرح کی مدد مانگو گے میں دوں گا۔ جتنے دن میرے علاقے میں رہو گے دو مرغ روزانہ میرے ذمے۔ کوئی موج میلہ کرنا چاہو تو وہ بھی میرے ذمے''۔

میں دراصل اسے اعتماد کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ ہر تھانیدار کی اپنی اپنی دلچسپی ہوتی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ وہ کاغذی کارروائی کر لے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ وہ کیس کی فائل کھول لے اور کاغذات میرے حوالے کر دے۔ بہر حال یہ پولیس کے ضابطے ہیں جن کا اس کہانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بنتا۔

میں آپ کو ان ضابطوں میں نہیں الجھانا چاہتا۔ اس نے میری ایک ضرورت پہلے ہی پوری کر دی تھی۔ وہ یہ کہ وہ ایک بوڑھے اور تجربہ کار کھوجی کو ساتھ لے آیا۔ میں نے کھوجی کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور اسے بتایا کہ کھرے بڑے صاف ہیں' اس نے لاش کے اردگرد کھرے دیکھے۔ میں اور دوسرا تھانیدار کاغذ پتر تیار کرنے لگے۔ بوڑھے کھوجی نے کھڈ میں سے ہی بلند آواز سے کہا کہ کھڈ میں دو آدمی آئے تھے۔

میں نے اسے کہا کہ اپنا کام پورا کر کے رپورٹ دینا۔

کچھ دیر بعد میں نے لاش کو پوسٹمارٹم کے لیے بھجوانے کا انتظام کیا۔ ان دونوں تھانوں کی لاشوں کا پوسٹ مارٹم میرے تھانے والے قصبے کے سرکاری ہسپتال میں ہوتے تھے۔ خون وغیرہ کے لیبارٹری ٹیسٹ کے لیے ہمیں دور جانا پڑتا تھا۔

☆☆☆

ایک بار کا سزا یافتہ رہزن

میں نے جن دو بھائیوں کو پکڑا تھا۔ان پر اب میرا شک مزید پختہ ہو گیا تھا۔میرا وہ خیال جو میں پہلے بتا چکا ہوں صحیح معلوم ہونے لگا کہ میں نے رات ان سے پوچھ گچھ کی اور خانہ تلاشی بھی لی۔اس دوران ان کے دوسرے آدمیوں نے لڑکی کو جہاں کہیں اسے چھپا کے رکھا ہوا تھا ساتھ لے لیا اور قتل کر دیا۔

میں لڑکی کے متعلق یہ جو کہہ رہا ہوں کہ اسے اپنے ساتھ لے گئے وہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کھڈ کی طرف جاتے ہوئے اس کے کھرے پائے گئے تھے۔کھوجی نے اس کی تصدیق کر دی۔اس نے مجھے تھوڑی دیر بعد بتایا کہ تین کھرے گاؤں کی طرف سے آتے ہیں۔ان میں دو مردانہ ہیں اور ایک زنانہ۔کھوجی نے بتایا کہ زنانہ کھرا اسی جوتی کا ہے جو لاش کے پاؤں میں تھی۔

میں نے دوسرے تھانیدار کو بھیج دیا۔لاش نمبردار کی منگوائی ہوئی چارپائی پر ڈال کر پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دی گئی۔میں کھوجی کے ساتھ کھرے دیکھنے چلا گیا۔ تین کھرے ان دونوں بھائیوں کے گاؤں کی طرف سے جائے وقوعہ تک آئے تھے۔ایک کھرا تو مقتولہ کا تھا۔ایک کھرا دیسی جوتی کا تھا جو گاؤں کے لوگ عموماً پہنا کرتے تھے۔دوسرا مردانہ کھرا گرگابی کا تھا۔یہ امیر شوقین دیہاتی پہنا کرتے تھے لیکن گرگابی عام نہیں تھی۔اسے پہلے گرگابی کہا کرتے تھے' پھر اسے پمپ شو کہنے لگے آج کل اسے غالباً ملیشن کہا جاتا ہے۔

کھڈ سے واپسی پر صرف گرگابی کا کھرا واپس آیا تھا۔دیسی جوتی والا مردانہ کھرا کھڈ سے کسی اور طرف چلا گیا تھا۔مجھے اس کھرے کا بھی تعاقب کرنا تھا۔اسے کھرا اٹھانا کہتے ہیں۔میں نے گرگابی والا کھرا پہلے اٹھانا مناسب سمجھا۔یہ کھرا گاؤں سے گیا تھا اور گاؤں ہی میں واپس آیا لیکن راستے میں ایک پگڈنڈی آتی تھی جو گاؤں کے بالکل قریب سے ہو کر گزرتی تھی۔دیہات کے لوگ بہت سویرے

جاگ اٹھتے تھے۔ انہوں نے یہ کھرا اپنے اور مویشیوں کے پاؤں تلے ختم کر ڈالا تھا۔ پگڈنڈی اور گاؤں کے درمیان دس پندرہ گز کا فاصلہ تھا۔ کھوجی نے بہت تلاش کیا لیکن یہ کھرا آگے نہ ملا۔ کھوجی نے اس کھرے کا رخ دیکھ کر یقین کے ساتھ کہا کہ یہ آدمی اس گاؤں میں واپس آیا ہے اور گیا بھی اسی گاؤں سے تھا۔ کھروں کے متعلق تو یہ فلسفہ میں بھی جانتا تھا۔ میرے لیے سہولت یہ تھی کہ یہ خاص جوتی تھی جو گاؤں میں شاید ایک ہی آدمی پہنتا ہوگا۔ میں نے سوچا کہ گاؤں والے بتا دیں گے کہ گرگابی کون پہنتا ہے۔

میں نے نمبر دار کو الگ کر کے پوچھا۔ اس نے اپنے دماغ پر زور دیا' اور بولا ...... ''میں نے اپنے گاؤں میں کسی کو گرگابی پہنے ہوئے نہیں دیکھا''۔

گاؤں کے لوگ تماشہ دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے۔ میں نے ویسے ہی تین آدمیوں کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ گاؤں میں گرگابی کون پہنتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ آدمی مجھے نہیں میرے پیچھے کسی کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور ان میں سے ایک نے کہا...... ''کوئی بھی نہیں''۔

مجھے پکا شک دونوں بھائیوں پر تھا۔ میں نے ان کی خانہ تلاشی لی تھی۔ لیکن گھر کے افراد کی جوتیاں نہیں دیکھی تھیں۔ میں نے ان دونوں کو ساتھ لیا اور ان کے گھر چلا گیا۔ گھر کے اندر گھوم پھر کر اکی عورتوں اور مردوں کی جوتیاں دیکھیں۔ گرگابی نہ ملی۔ میں نے گھر کے تمام افراد کو اکٹھا کر کے سامنے کھڑا کر لیا۔ ان میں دونوں بھائیوں کی ماں بھی تھی اور ان کا باپ بھی تھا۔ ان کی بیویاں بھی تھیں دونوں جوان تھیں۔

تمہارے یہ دو جوان آدمی پھانسی چڑھ رہے ہیں...... میں نے کہا...... ''اگر یہ مان جائیں تو میں انہیں پھانسی سے بچا سکتا ہوں۔ انہیں کہو کہ یہ میری بات سمجھیں ورنہ ان دونوں کی لاشیں اکٹھی یہاں آئیں گی''۔

ان کی ماں تو میرے گلے لگ گئی اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔ وہ کہتی تھی کہ اس کے بیٹوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کبھی پوچھتی کہ انہیں کیوں پکڑ لیا ہے۔ ان کا باپ بھی میرے آگے ہاتھ جوڑتا اور روتا تھا۔ ان کی بیویاں الگ کھڑی رو رہی تھیں۔ گھر میں دو بچے تھے وہ بھی رونے لگے۔

''ان کے حال پر صرف تم رحم کر سکتے ہو''...... میں نے دونوں بھائیوں سے کہا...... ''جرم کا اقبال کر لو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بہت رعایت دلا دوں گا''۔

''او سن تھانیدارا!''...... بڑے بھائی نے رعب اور طنز سے کہا...... ''تو تھانیدار ہے ہمارا خدا تو نہیں۔ تو کون ہے پھانسی دینے والا''۔ اس نے اپنے باپ اور اپنی ماں سے کہا...... ''پیچھے ہٹ جاؤ۔ ہم بے گناہ ہیں۔ یہ کون ہے؟ خدا سے انصاف مانگو۔ ہم سچے ہیں خدا انصاف کرے گا''۔

نمبردار میرے ساتھ تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل اور دو کانسٹیبل بھی میرے ساتھ اندر تھے۔ یہ سب اسے ڈانٹنے لگے۔ نمبردار نے اسے کہا کہ وہ مجھ سے معافی مانگے۔ اس کے باپ نے پھر میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے اور کہا کہ اس کا بیٹا بے وقوف ہے اور اس کی بدتمیزی معاف کر دوں۔ میری یہ حالت تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ میں بھڑکنے اور کاٹ کھانے والا تھانیدار نہیں تھا۔ میں اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھ کر تفتیش کیا کرتا تھا۔ اس شخص کے متعلق سوچنے لگا کہ یہ بے گناہ ہے یا بہت چالاک اور دلیر ہے۔

اس کی دلیری دیکھ کر اس کا چھوٹا بھائی بھی تیز ہو گیا۔ اس نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر کہا...... ''ایک بار پھر سن لے...... یہ کتا آوارہ پھر رہا تھا اور رحم اسے پکڑ کر لے آئے' اسے ہم چھوڑ دیتے کیونکہ یہ سب کو کاٹتا تھا۔ یہ پاگل سا آدمی آ گیا۔ کتا اس سے پیار کرنے لگا۔ ہم نے اس پاگل کو اپنے گھر رکھ لیا۔ یہ کام کرتا ہے ہم اسے روٹی دیتے ہیں' کپڑے بھی سلوا دیں گے۔ اسے ہم چھت تلے سلاتے ہیں...... بتا اس میں جرم کیا اور گناہ کیا ہے؟...... اب ہمیں سولی پر کھڑا کر دے۔ ہمارا بیان یہی

رہے گا‘‘۔

غصے کا جواب غصے سے دینے کی بجائے میں نے ان کے ماں باپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ میں ان کے ساتھ کوئی زیادتی اور بے انصافی نہیں کروں گا۔ یہ بے گناہ ہوئے تو میں خواہ مخواہ ان کے سر پر کوئی گناہ نہیں تھوپوں گا۔ میں وہاں سے نکل آیا۔ مجھے بہت جلدی تھی۔ میں نے کھوجی کو وہ کھرا اٹھانے کے لیے بھیجا جو جائے وقوعہ سے کسی دوسری طرف چلا گیا تھا۔ میں جب گاؤں سے نکلا تو دور مجھے کھوجی نظر آیا۔ میں اس کے پیچھے گیا۔ میرے جانے کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن میں اس کھرے کو آخر تک دیکھنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ میرے پاس ان کھروں کے علاوہ کوئی ٹھوس شہادت نہیں تھی جس پر میں تفتیش کو آگے بڑھاتا۔ میں کھوجی تک پہنچ گیا۔ اس وقت میرے ساتھ ہیڈ کانسٹیبل تھا۔ باقی سب کو میں گاؤں میں چھوڑ آیا تھا۔ جس کھرے پر کھوجی جا رہا تھا وہ بہت دور تک چلا گیا تھا اور نظر آ رہا تھا۔

میں آپ کو اپنی کہانیوں میں کھروں یعنی پاؤں کے نشانات کے متعلق بتا چکا ہوں۔ یہاں میں ایک بات دہرانا چاہتا ہوں۔ یہ بڑا ہی مشکل فن ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ پاؤں کا یا جوتی کا پورا نشان نظر آئے بعض جگہوں پر صرف ایڑھی یا اس کے کچھ حصے کا یا پنجے کا تھوڑا سا نشان ہوتا ہے۔ یہ تجربہ کار کھوجیوں کا کمال ہے کہ پاؤں کے اس ذرا سے نشان سے وہ پہچان لیتے ہیں کہ یہ وہ کھرا ہے جو پیچھے کہیں مکمل دیکھا گیا ہے۔ مثلاً یہ کھوجی جس ایک کھرے پر جا رہا تھا وہ بعض جگہوں پر مجھے بھی نظر ہی نہیں آتا تھا لیکن کھوجی پورے اعتماد کے ساتھ جا رہا تھا۔

یہ کھرا جائے واردات سے کم و بیش ڈیڑھ میل دور تک چلا گیا۔ راستے میں کنکریوں والی زمین بھی آئی تھی جس پر پاؤں کا نشان ہی نہیں آتا۔ کٹی پھٹی زمین بھی آئی تھی اور ایک خشک نالہ بھی راستے میں آیا تھا۔ کھوجی چلتے چلتے رک گیا۔

’’حضور!‘‘......اس نے مجھے کہا......’’آپ نے اسے تو مشتبہ بٹھا لیا ہوگا‘‘۔

''کسے؟''

''خوجے کو''...... اس نے جواب دیا...... ''نمبردار نے آپ کو بتایا ہوگا''۔

''نہ بھائی!''...... میں نے کہا...... ''میں دوسرے علاقے کا تھانیدار ہوں۔ نمبردار نے میرے ساتھ کسی خوجے کا ذکر نہیں کیا''۔

''خوجہ تو اس گاؤں کا مشہور استاد ہے''...... کھوجی نے کہا...... ''ایک بار کا سزا یافتہ بھی ہے۔ اکیلے واردات نہیں کرتا۔ دوسروں کے ساتھ مل کر دوسرے علاقوں میں راہزنی اور ڈکیتی کی وارداتیں کرتا ہے۔ تین چار سال گزرے کسی علاقے میں ڈکیتی میں پکڑا گیا تھا۔ اپنے تھانے میں اس کا ریکارڈ صاف ہے سوائے ایک سزا کے...... مجھے شک ہے کہ جو کھرا اس گاؤں میں گیا ہے وہ خوجے کا ہے لیکن میں پورے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ کھرا گرگابی کا ہے''۔

یہاں میں آپ کو ایک اور دلچسپ بات بتاتا ہوں کھوجی نے اپنے علاقے کے پیشہ ور مجرموں کے کھرے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیے تھے۔ جن لوگوں نے کھوجیوں کا کمال نہیں دیکھا وہ یقین نہیں کریں گے کہ کوئی مجرم جوتی بدل لے تو بھی کھوجی بتا دیتے ہیں کہ یہ فلاں آدمی کا کھرا ہے۔ خوجے کے کھرے کے معاملے میں یہ کھوجی اس لیے یقین سے بات نہیں کرتا تھا کہ گرگابی اور دیسی جوتی کے نشان میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ مجھے اسی وقت اس گاؤں میں واپس جا کر خوجے کو پکڑنا چاہیے تھا لیکن میں کھوجی کے ساتھ دور نکل آیا تھا۔ میں نے اس گاؤں میں یہ انتظام صبح سویرے ہی کر دیا تھا کہ دو تین آدمی نمبردار سے لے کر اور دو اپنے کانسٹیبل اس ڈیوٹی پر لگا دیے تھے کہ وہ گاؤں کے اردگرد پھرتے رہیں اور کسی آدمی کو گاؤں سے باہر نہ جانے دیں۔

''حضور!''...... کھوجی نے کہا...... ''میں آپ لوگوں کا دیا ہوا کھاتا ہوں۔ آپ کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتا۔ ایک بات کہتا ہوں۔ یہ اپنے تک ہی رکھنا...... بات یہ ہے

حضور! نمبر دار نے اگر آپ کو کھوجے کا نہیں بتایا تو اس کی ایک وجہ ہے۔ اس گاؤں کا بچہ بچہ خوجے کو دل سے چاہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خوجہ گاؤں میں ہر کسی کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے اور اگر کسی کو روپے پیسے کی ضرورت ہو تو وہ دے دیتا ہے۔ پھر واپس نہیں لیتا۔ خوجے کی وجہ سے اس گاؤں میں کبھی نقب نہیں لگی نہ کبھی ڈکیتی کی واردات ہوئی ہے۔ گاؤں کا کوئی آدمی خوجے کے خلاف گواہی نہیں دے گا۔ نمبر دار کا تو وہ گہرا یار ہے''۔

یہ سن کر مجھے نمبر دار پر بہت غصہ آیا۔

''خوجے نے کبھی قتل کی واردات بھی کی ہے؟''...... میں نے کھوجی سے پوچھا۔

''ایک بار سنا تھا''...... کھوجی نے جواب دیا...... کہ اس نے قتل کی دو وارداتیں کی ہیں لیکن کوئی ثبوت نہیں ملا۔ یہ بات میں یقین سے کہتا ہوں کہ خوجے کو پیسے دے کر اس سے جو بھی واردات کرانا چاہو کرا سکتے ہو۔ اس علاقے میں سیٹھ، ساہوکار اور بڑے بڑے جاگیردار اس کے مرید ہیں''۔

☆☆☆

ایک چیز میرے ہاتھ آ گئی

قتل اور ڈکیتی جیسی سنگین وارداتوں میں علاقے کے جرائم پیشہ اور سزا یافتہ افراد کو سب سے پہلے تھانے بلا لیا جاتا ہے۔ میری لاعلمی کی وجہ سے یہ شخص جس کا نام خوجہ تھا میرے ہاتھ نہیں آیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اس علاقے کے تھانیدار نے بھی میرے ساتھ خوجے کا ذکر نہ کیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ میں خوجے کے گاؤں میں ہی لڑکی کی گمشدگی کی تفتیش کر رہا ہوں۔ میں نے کھوجی سے کہا کہ خوجہ اتنا بڑا استاد نہیں ہوگا ورنہ تمہارا تھانیدار اس کا نام مجھے ضرور بتاتا''۔

''وہ بھی تو خوجے کا یار ہی ہے جی''...... کھوجی نے کہا اور ہاتھ جوڑ کر بولا...... ''حضور! میرا پردہ رکھنا مروانہ دینا''۔

یہ کھرا چند فرلانگ اور آگے چلا گیا۔ وہاں سے تین چار فرلانگ دور ایک گاؤں تھا لیکن کھرا غائب ہو گیا۔ کیونکہ آگے ایک تو پگڈنڈی آ گئی تھی اور وہاں سے کھیت شروع ہو گئے تھے۔ لوگوں اور مویشیوں نے تمام کھرے مٹا دیے تھے۔ آخری کھرے کا رخ صاف بتاتا تھا کہ یہ اسی گاؤں میں گیا ہے۔ ہم کھیتوں میں چلے گئے۔ خدا نے یوں مدد کی کہ دو کھیت خالی تھے۔ ان میں ہل پھرا ہوا تھا۔ وہاں یہ کھرا بڑا صاف نظر آ گیا۔ یہ مینڈھوں پر جانے کی بجائے ان کھیتوں میں سے گزرا تھا۔ یہ بڑا صاف اشارہ تھا کہ یہ آدمی جلدی میں ہے اور وہ راستہ چھوٹا کرنے کے لیے کھیت کے اندر سے گزرا ہے۔ کھیتوں سے گزر کر کھرا پھر ختم ہو گیا۔ اب گاؤں بالکل قریب تھا۔ کھیتوں میں کام کرنے والوں نے کام چھوڑ کر مجھے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ کسی نے نمبردار کو بتا دیا کہ پولیس آئی ہے۔ نمبردار کا رابطہ پولیس کے ساتھ زیادہ ہوتا تھا۔ گاؤں کا نمبردار دوڑتا ہوا آیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ذیلدار بھی آ گیا۔ دو تین وہ آدمی بھی آ گئے جنہیں ہم معززین لکھا کرتے ہیں لیکن وہ پیشہ ور خوشامدی ہوتے ہیں۔ یہ سب لوگ میرے قریب آ کر جھک جھک کر سلام کرنے لگے۔

یہ تو مجھے یقین تھا کہ یہ کھرا اس گاؤں میں آیا ہے اور یہ جائے واردات سے آیا ہے لیکن یہ معلوم کرنا کہ یہ کس کا کھرا ہے' کالے علم یا جادو کا کام تھا۔ یہاں مجھے اپنے تجربے اور اپنی عقل سے کام لینا تھا۔ اس وقت تک میں جوان لڑکیوں کے گھر سے بھاگنے کی چار پانچ وارداتو کی تفتیش کر چکا تھا۔ ان سے مجھے کچھ تجربے اور کچھ سبق حاصل ہوئے تھے۔ میں نے ان کی روشنی میں نمبردار سے کچھ باتیں پوچھیں۔

''ایک بات بتاؤ''...... میں نے نمبردار ذیلدار اور تین معززین سے پوچھا...... ''راج نگر (لڑکی کا گاؤں) کے فلاں آدمی کی یہاں کوئی رشتہ داری ہے؟''

''وہ تو مشہور خاندان ہے''...... ذیلدار نے جواب دیا...... ''ہمارے گاؤں کی ایک عورت وہاں بیاہی ہوئی ہے''۔

''کب سے؟''

''اس کی اگر اولاد ہوتی تو اب جوان ہوتی''...... نمبردار نے جواب دیا۔

''اس کا کوئی جوان لڑکا ہے؟''

''نہ جی''...... نمبردار نے جواب دیا...... ''اس کی اولاد ہوئی ہی نہیں''۔

میں دراصل ایک خاص شک ذہن میں رکھ کر یہ سوال کر رہا تھا جسے وہ نہیں سمجھ سکتے تھے بلکہ میں خود محسوس کر رہا تھا کہ میرے سوال بے معنی ہیں۔ شاید پولیس کی یہ چھٹی حس تھی جو مجھے اکسا رہی تھی کہ میں ذرا گہرائی میں جاؤں۔ میں ان لوگوں سے باتیں پوچھتا ہی رہا اور میں نے بعض باتیں شاید ایسی بھی پوچھیں جن سے انہوں نے یہ رائے قائم کی ہو گی کہ اس تھانیدار کا دماغ ٹھکانے نہیں۔ صحیح الفاظ میں آپ یوں کہہ لیں کہ میں اندھیرے میں ہاتھ مار رہا تھا۔ اس اندھیرے میں ایک چیز میرے ہاتھ آ گئی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ چیز کیا ہے اور کیا یہ میرے کام آ سکتی ہے۔

''ہاں ہاں جناب!''...... نمبردار نے میرے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا...... ''یہ جو عورت اس گاؤں میں بیاہی ہوئی ہے' اس کا ایک بھانجا ایک سال اس

گاؤں میں اپنی اس خالہ کے گھر رہا تھا‘‘۔

نمبردار میرا یہ سوال اس لیے سمجھ گیا تھا کہ وارداتوں کی تفتیش میں نمبردار عموماً پولیس کے ساتھ رہتے تھے اس لیے وہ تفتیش کے طور طریقوں اور باریکیوں کو بھی سمجھتے تھے۔ میں نے ان لوگوں کو بتا دیا تھا کہ اس گاؤں کی ایک لڑکی کسی کے ساتھ گھر سے نکل گئی ہے اور میں کسی شک پر اس گاؤں میں آیا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ انہیں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملا کہ باہر کی کوئی لڑکی یہاں آئی ہو۔ نمبردار میرا اشارہ سمجھ گیا اور اس نے بتایا کہ اس کے گاؤں کا ایک جوان لڑکا گمشدہ لڑکی کے گاؤں میں ایک سال تک رہا ہے۔ میں نے ان لوگوں کو یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ وہ لڑکی قتل ہو چکی ہے۔ مجھے یہ سارے سوال پچھلے گاؤں میں پوچھنے چاہئیں تھے لیکن وہاں صورت حال کچھ اور ہی پیدا ہوگئی تھی۔

میں نے نمبردار سے کہا کہ وہ اس لڑکے کو بلا لائے۔ جتنی دیر میں وہ لڑکا آتا تھا میں نے ذیلدار وغیرہ سے پوچھا کہ یہ لڑکا اپنی خالہ کے پاس ایک سال تک کیوں رہا تھا؟

’’جناب عالی‘‘...... ذیلدار نے بتایا...... ’’لڑکے کے خاندان کی یہاں کے ایک خاندان سے پرانی دشمنی ہے۔ وہ خاندان زیادہ چالاک اور طاقتور ہے۔ ان لوگوں نے تھانے میں درخواست دی کہ انہیں اس لڑکے سے خطرہ ہے کیونکہ لڑکا غصیلا اور لڑاکا ہے اور وہ کسی بھی وقت ان کے خاندان کے کسی آدمی کو قتل کر سکتا ہے۔ ان لوگوں نے مل ملا کے لڑکے کی نیک چلنی کی ضمانت کرا دی۔ ضمانت دو ہزار کی ہوئی تھی۔ لڑکے کے گھر والوں نے اس خیال سے لڑکے کو خالہ کے پاس بھیج دیا کہ ایسا نہ ہو کہ دوسرا خاندان لڑکے کو کہیں اکیلا دیکھ کر اس کے ساتھ لڑائی مول لے لے اور تھانے میں جا کر رپورٹ کرے کہ لڑکے نے ان پر حملہ کیا ہے۔ ضمانت ایک سال کی تھی۔ لڑکے نے یہ ایک سال اپنی خالہ کے پاس گزارا۔

میں نے لڑکے کے چال چلن وغیرہ کے متعلق پوچھا۔ مجھے بتایا گیا کہ اس کی عمر تئیس چوبیس سال ہے اور وہ خوش رہنے اور خوش رکھنے والا آدمی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ وہ بہت دلیر آدمی ہے۔ لڑاکا بھی ہے اور ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کا باپ ریٹائرڈ صوبیدار ہے۔ ماں باپ نے اکلوتا لڑکا ہونے کی وجہ سے اسے بہت لاڈ پیار دیا تھا۔ اس سے لڑکے میں من مانی کرنے کی عادت پیدا ہوگئی۔

چپ رہتا ہے یا فریاد کرتا ہے

ہم چلتے چلتے ذیلدار کی بیٹھک میں جا بیٹھے۔ نمبردار لڑکے کو وہیں لے آیا۔ نمبردار نے اسے میرے سامنے کرتے ہوئے کہا...... ''یہ ہے ہمارے گاؤں کا شیر اس کا نام مظہر ہے''...... میں نے ہاتھ لمبا کر کے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ ذیلدار وغیرہ پولیس کے دستور سے واقف تھے۔ وہ میرے اشارے کے بغیر ہی باہر نکل گئے اور میں اس نوجوان کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔

اس کے چہرے پر گھبراہٹ تھی جو ہونی چاہیے تھی۔ یہ پولیس کا ڈر تھا۔ میں نے اس کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھا۔ اس زمانے میں مرد کی کشش اس کے قد اور جسم میں سمجھی جاتی تھی۔ آجکل تو اس قد اور گٹھے ہوئے جسم کا کوئی آدمی نظر ہی نہیں آتا۔ ہڈیوں کے ساڑھے چار فٹ لمبائی کے ڈھانچے سے چلتے پھرتے اور عورتوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے یا وی سی آر کے سامنے بیٹھے نظر آتے ہیں۔

مظہر کے قد اور جسم کی ساخت میں تو کشش تھی ہی اس کے چہرے کے نقوش بہت ہی اچھے تھے۔ اس کی آنکھوں میں کوئی اور ہی حسن تھا۔ آنکھوں میں جو تاثر تھا وہ میں نے شدت سے محسوس کیا تھا۔ کوئی اجنبی اسے دیکھ کر آسانی سے نظریں نہیں ہٹا سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ لڑکی اگر اس کی خاطر گھر سے نکلی تھی تو وہ مجبور تھی۔ وہ اس جوان کی خاطر گھر سے نکلنے سے زیادہ بڑا خطرہ مول لے سکتی تھی۔ لیکن یہ صرف میرا خیال تھا۔ اس آدمی کے خلاف میرے پاس ہلکی سی شہادت بھی نہیں تھی۔

میں نے اسے کہا کہ وہ راج نگر میں اپنی خالہ کے گھر ایک سال رہا ہے۔اس نے کہا کہ رہا ہے۔میں نے مقتولہ کے باپ کا نام لے کر کہا کہ وہ اسے اور اس کے خاندان کو جانتا ہے۔اس نے کہا کہ وہ تو بہت اچھے لوگ ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ شیدی (مقتولہ) کو بھی جانتا ہوگا۔اس نے کہا کہ اس نے کسی عورت کے ساتھ کبھی تعلق نہیں رکھا۔

''شیدی کا نام آپ نے کیوں لیا ہے''؟......اس نے پوچھا

''کسی کے ساتھ گھر سے نکل گئی ہے''......میں نے کہا۔اسے یہ نہ بتایا کہ وہ قتل ہوگئی ہے۔

''کیا آپ مجھ سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کس کے ساتھ گئی ہے؟''اس نے کہا......''مجھے وہاں سے آئے تین مہینے ہو گئے ہیں......اور میں نے تو اسے اچھی طرح دیکھا بھی نہیں تھا''۔

''میرا خیال تھا کہ تم اسے اچھی طرح جانتے ہوگے''......میں نے کہا۔

''اور شاید آپ کو یہ شک بھی ہوگا کہ وہ میرے پیچھے نکل آئی ہے''......اس نے بڑی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ کہا......''اگر آپ کو ایسا شک ہے تو دل سے یہ شک اتار دیں۔میری تو منگنی ہو چکی ہے۔شاید ایک دو مہینے تک میری شادی ہو جائے گی''۔

میں نے اسے باتوں باتوں میں بہت ٹٹولا لیکن اس نے اپنے خلاف شک پیدا نہ ہونے دیا۔میرا انداز تفتیش اور پوچھ گچھ والا نہیں تھا۔یہ گپ شپ والا انداز تھا۔ میرے لیے سوچنے والی بات یہ تھی کہ لڑکی اس کے ساتھ گھر سے بھاگتی تو یہ اسے قتل کیوں کر دیتا؟ پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ میرے پاس آ کر اس کے چہرے پر جو گھبراہٹ آئی تھی وہ بھی ختم ہو چکی تھی۔اگر یہ اغواء کا مجرم ہوتا تو اس کا چہرہ کئی رنگ بدلتا۔مجھے اپنی بیوقوفی کا کچھ کچھ احساس ہونے لگا تھا۔

میں نے نمبردار وغیرہ کو اندر بلا لیا تا کہ نہ انہیں شک ہو نہ مظہر کو کوئی شبہ ہو کہ میں نے اس مشتبہ سمجھا تھا۔ وہ لوگ جب اندر آئے تو میں نے ان کے ساتھ گپ بازی شروع کر دی۔ باتوں باتوں میں ایک آدمی نے مظہر کے متعلق مجھے بتایا کہ اس کی آواز میں خدا نے بڑا اسر اور سوز پیدا کیا ہے۔ وہ مجھے کہتے تھے کہ میں اس کا گانا سنوں۔ میں کوئی ایسا مردہ دل تو تھا نہیں کہ گانا نہ سنتا لیکن میرے دماغ پر ایک پیچیدہ تفتیش سوار تھی پھر بھی میں نے مظہر سے کہا کہ وہ کچھ سنا دے۔ میرا خیال تھا کہ وہ اندھوں میں کانا راجہ ہو گا یعنی اس گاؤں میں ایک ہی آدمی گا سکتا ہو گا لیکن اس نے پہلی ہی آواز نکالی تو میں نے چونک کر اس کے منہ کی طرف دیکھا۔ میں یہی کہوں گا کہ جتنا خوبصورت وہ خود تھا اس سے زیادہ پرکشش اور تاثر پیدا کرنے والی اس کی آواز تھی۔

اس نے ہیر وارث شاہ کا وہ بند شروع کیا جسے میں ذاتی طور پر سب سے زیادہ دردناک سمجھتا ہوں۔ میں یہ پورا بند تو نہیں لکھتا اس ک دو مصرے لکھ دیتا ہوں۔ یہ دو الگ الگ مصرے ہیں ایک شعر نہیں:

ایسا کوئی نہ ملیا ڈھونڈ تھکی جیہڑا گیاں نوں موڑ لیاونداای

اک باز توں کاں نے کونج کھوہی دیکھاں چپ ہے یا کرلاونداای

یہ بند خاصا طویل ہے۔ یہ دو مصرے آج بھی مجھے اتنے اچھے لگتے ہیں جیسے میرے دل میں چبھ گئے ہوں۔ پنجابی سمجھنے میں دشواری محسوس کرنے والے خواتین وحضرات کے لیے میں اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

''میں ایسے آدمی کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی ہوں جو میرے بچھڑے ہوئے ساتھیوں کو واپس لے آئے۔ ایک باز سے کوے نے کونج چھین لی دیکھتی ہوں کہ باز چپ رہتا ہے یا فریاد کرتا ہے''۔

ایک تو یہ بند درد سے لبریز تھا۔ اس کے ساتھ مظہر کی آواز کا سوز تھا۔ بخدا میں

بھول گیا تھا کہ میں تھانیدار ہوں۔ میں تو شاید یہ بھی بھول گیا تھا کہ میں یہاں کس لیے آیا تھا۔ آج میں جب اس وقت کو یاد کر کے قلم کے سپرد کر رہا ہوں تو مجھے مظہر کی آواز اسی طرح سنائی دے رہی ہے۔

اس کا گانا ختم ہوا تو میری زبان پر آئی کہ اسے کہوں کہ اگلا بند بھی سنا دو لیکن مجھے یاد آ گیا کہ میں یہاں تفتیش کے لیے آیا ہوں۔ اگر وہ پیشہ ور گویا ہوتا تو میری جیب میں جتنے پیسے تھے وہ میں اسے دے دیتا۔ لیکن وہ بڑے امیر باپ کا بیٹا تھا۔

مجھے یاد آ گیا کہ کھوجے کے گاؤں میں جلدی پہنچنا بہت ضروری ہے۔ میں اٹھنے لگا تو ذیلدار وغیرہ نے زبردستی بٹھا لیا۔ کہنے لگے کہ کھانا آ رہا ہے۔ میں کھانے کے لیے رک گیا۔ کھانا آیا تو بڑی تیزی سے کھا کر میں نے وہاں سے بھاگنے کی کی۔ نمبردار عقلمند تھا۔ میں باہر نکلا تو چار پانچ گھوڑیاں کھڑی تھیں۔ میں نے ان میں سے تین گھوڑیاں لیں۔ ایک اپنے لیے اور دو کھوجی اور ہیڈ کانسٹیبل کے لیے۔

☆☆☆

نمبر دار کو جو گالیاں دیں

ہم تینوں جب گاؤں سے نکلے تو میں نے کھوجی سے پوچھا کہ اس نے کیا دیکھا ہے۔

''نہ حضور''......کھوجی نے جواب دیا......''یہ کھرا اس کا نہیں تھا۔ میں نے بڑی اچھی طرح دیکھا ہے''۔

میں نے جب مظہر کو بلایا تھا اور جب نمبر دار اور ذیلدار وغیرہ باہر نکل گئے تھے تو میں نے باہر جا کر کھوجی کو اپنے پاس بلایا اور اسے کہا تھا کہ یہ شخص جو میرے پاس اندر بیٹھا ہوا ہے اس کا کھرا دیکھنا ہے۔ کھوجی نے اس کا کھرا باہر دیکھا تھا۔ اب اس نے مجھے بتایا کہ جس کھرے پر ہم اس گاؤں تک پہنچے تھے وہ مظہر کا نہیں کسی اور کا تھا۔

یہ تقریباً ناممکن ہوتا ہے کہ ایک کھرا دیکھ کر اتنے بڑے گاؤں میں یہ معلوم کیا جا سکے کہ یہ کس کا کھرا ہے۔ اس کھرے سے مجھے صرف یہ فائدہ حاصل ہوا تھا کہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ لڑکی کے قتل کے ساتھ اس گاؤں کے کسی آدمی کا تعلق ہے۔ مجھے اب اپنے دماغ کے علاوہ اپنے خفیہ ذرائع سے بھی کام لینا تھا۔ لیکن اس وقت جب میں خوجے کے گاؤں کی طرف جا رہا تھا میرے ذہن پر مظہر اور اس کی سریلی آواز غالب تھی۔ یہ نہ سمجھیں کہ میں اس کی آواز کے جادو کا شکار ہو گیا تھا بلکہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اتنے خوبصورت جوان نے اور اس کی اتنی پرسوز آواز نے گمشدہ لڑکی شیدی کو اپنے جال میں پھانس لیا ہو گا۔ عورتیں جذباتی ہوتی ہیں۔ میں نے مظہر سے پوچھا تھا کہ وہ اور کیا گاتا ہے۔ اس کی بجائے نمبر دار نے جواب دیا تھا کہ ہیر وارث شاہ کے علاوہ یہ میاں محمد بخش کی سیف الملوک گایا کرتا ہے۔

دیہات کی عورتیں انہی دو چیزوں اور سریلی آواز پر مرمٹتی ہیں۔ میں آپ کوئی ایسے واقعات سنا سکتا ہوں کہ نوجوان لڑکیاں اسی قسم کی آواز والے گویوں کے پیچھے

گھروں سے نکل گئیں۔ مظہر کی آواز مجھے شک میں ڈال رہی تھی۔ میرے دماغ نے کچھ اور ہی سوچنا شروع کر دیا تھا۔ میرے لیے معمہ یہ تھا کہ لڑکی قتل کیوں ہوئی۔ میں مظہر پر شک نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے زیور اور پیسوں کی خاطر لڑکی کو گھر سے بھگایا اور مال اپنے قبضے میں کر کے اسے قتل کر دیا۔ مظہر تو ایک ریٹائرڈ صوبیدار کا بیٹا تھا جو کئی مربعے زمین کا مالک تھا۔

سوچ سوچ کر میں نے مظہر کو ذہن سے اتار دیا۔ لڑکی اس کے ساتھ نہیں آئی تھی۔ وہ اس شخص کے ساتھ آئی تھی جس کے کھرے پر ہم اس گاؤں تک آئے تھے اور لڑکی کے قتل میں وہ دو بھائی جن کے پاس کتا اور نوکر تھا۔ اگر شامل نہیں تھے تو انہیں قتل کے متعلق معلوم ضرور تھا۔ میں نے سوچا کہ لڑکی مظہر کے گاؤں میں نہیں آئی۔ وہ ان بھائیوں کے گاؤں میں آئی تھی۔ یہ تو کھوجی نے مجھے بتا دیا تھا کہ گاؤں کا کوئی آدمی خوجے کے خلاف کوئی بات نہیں بتائے گا۔

میں اس گاؤں میں پہنچ گیا۔ اس گاؤں کا نمبردار باہر دھوپ میں چارپائی رکھ کر بیٹھا تھا اور گاؤں کے بہت سے آدمی اس کے پاس کھڑے یا بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نمبردار کو دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے دور ہی سے اسے آواز دی۔ وہ دوڑا آیا۔ میں گھوڑی سے اترا۔ اگر میں تھانے میں ہوتا تو اس نمبردار کی بہت پٹائی کرتا۔ میں نے گاؤں میں اس کی عزت رکھ لی لیکن میں نے اسے جو گالیاں دی ہیں وہ صرف پولیس والے ہی دے سکتے ہیں۔ میں اسے کہہ رہا تھا کہ اس نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ اس گاؤں میں ایک سزا یافتہ اور پیشہ ور مجرم ہے۔ نمبردار کے ہونٹ کانپتے تھے لیکن اس کے منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی۔

''اس باپ کو فوراً حاضر کر''...... میں نے کہا۔

نمبردار پیچھے کو مڑا اور وہیں سے آواز دی...... ''ادھر آ خوجے''۔

خوجہ انہی آدمیوں میں تھا جو نمبردار کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دوڑتا ہوا آیا۔

میں نے اس کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ اپنے ہیڈ کانسٹیبل سے کہا کہ اس کے گھر کی تلاشی لو۔ ہیڈ کانسٹیبل دوڑ پڑا۔ اسے معلوم تھا کہ تلاشی کس طرح لی جاتی ہے۔ خوجے نے مجھ سے پوچھا کہ میں اس کی خانہ تلاشی کیوں لے رہا ہوں۔ میں اس کی جوتی دیکھ چکا تھا۔ اس کے پاؤں میں اس وقت دیسی جوتی تھی۔

''تم گرگابی پہنتے ہو؟''...... میں نے پوچھا۔

''نہ جی''...... اس نے جواب دیا...... ''میں غریب آدمی ہوں۔ یہی جوتی پہنتا ہوں جو آپ دیکھ رہے ہیں''۔

میں اب وہاں زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ تفتیش اس قسم کی تھی جو تھانے میں ہی ہو سکتی تھی۔ مثلاً کوئی نوکر بات نہیں کرتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ مکرا بنا ہوا ہے۔ میں تشدد اور ایذا رسانی کا قائل نہ تھا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اس نوکر پر مجھے یہ طریقہ آزمانہ پڑے گا۔ دوسرا خوجہ تھا۔ پیشہ ور مجرم شریفانہ رویے کو نہیں مانا کرتے تھے۔ اسے بھی تھانے لے جانے کی ضرورت تھی۔ میں اسے ساتھ لے کر اس کے گھر گیا جہاں ہیڈ کانسٹیبل اور دوسرے کانسٹیبل اس کے گھر کی تلاشی لے رہے تھے۔ خوجہ کچھ نہ کچھ کہتا جاتا تھا جس کی طرف میں توجہ نہیں دے رہا تھا۔

ہیڈ کانسٹیبل نے بڑی اچھی طرح تلاشی لی تھی۔ میں نے اندر جا کر گھوم پھر کر دیکھا لیکن جس چیز کی ہمیں تلاش تھی وہ نہ ملی۔ وہ تھی گرگابی۔ میں نے باہر آ کر ہیڈ کانسٹیبل سے کہا کہ دونوں بھائیوں' نوکر اور خوجے کو اور کتے کو بھی تھانے لے چلو۔ میں نے ہتھکڑی کسی کو بھی نہ لگائی کیونکہ ابھی میں کسی کو گرفتار کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ میں ان افراد کو یا ان میں سے جو کوئی بھی مجرم تھا اسے موقع دینا چاہتا تھا کہ وہ بھاگنے کی کوشش کرے۔ یہ میرا تجربہ تھا کہ وہ آدمی جو جرائم پیشہ نہ ہو اور کسی وجہ سے وہ کوئی ایک جرم کر بیٹھا ہو اور شبہے میں اسے تھانے بلایا جائے تو وہ روپوش ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ سچا اور بے گناہ آدمی کبھی ایسی حرکت

نہیں کیا کرتا۔

میں نے اس گاؤں کے نمبردار کو بھی انکے ساتھ تھانے بھیج دیا۔ اسے میں نے ڈرا دھمکا کر بھیجا تھا۔

☆☆☆

ضرور جاتی ہوگی

میں ان سب کے ذرا بعد روانہ ہوا۔ شیدی کا باپ اور بھائی میرے ساتھ تھے۔ ان کا گاؤں راستے میں تھا۔ مجھے وہاں رکنا تھا۔ میں ایک بات جو پہلے بتا چکا ہوں ایک بار پھر کہوں گا۔ جب میرے پاس یہ رپورٹ آئی تھی کہ لڑکی گھر سے چلی گئی ہے تو میں نے یہ رپورٹ لکھ لی تھی لیکن اسے یہ سوچ کر اہمیت نہیں دی تھی کہ لڑکی بالغ ہے۔ اپنی مرضی کے ساتھ کسی کے ساتھ چلی گئی ہے مگر اب صورت کچھ اور بن گئی تھی۔ اب یہ قتل کی واردات تھی۔ میرے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ مقتولہ کے گاؤں جا کر معلوم کروں کہ وہ کسے چاہتی تھی۔ گاؤں میں کسی کی عشق بازی چھپ نہیں سکتی۔

''مظہر کو تم لوگ جانتے ہو گے''...... میں نے شیدی کے باپ اور بھائی سے پوچھا...... ''تمہارے گاؤں میں ایک سال تک وہ رہ چکا ہے''۔

''جانتے ہیں''......باپ نے جواب دیا اور پوچھا...... ''آپ نے کیوں پوچھا ہے؟''

''وہ کیسا آدمی ہے؟''......میں نے پوچھا......''تمہارے گاؤں میں وہ شرافت سے رہا تھا؟''

''خاندانی آدمی ہے''......باپ نے جواب دیا......''ہمارے گاؤں میں اس نے ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کی''۔

''وہ نیک چلنی کی ضمانت پر تھا''......شیدی کے بھائی نے کہا......''وہ کوئی ایسی ویسی حرکت کر ہی نہیں سکتا تھا......''ہماری ذات اور برادری کا آدمی ہے''۔

''اس کا تمہارے گھر آنا جانا تھا؟''

''کبھی کبھار آیا کرتا تھا''......باپ نے جواب دیا۔

''تم عزت والے لوگ ہو''......میں نے کہا......''میری کسی بات پر خفا نہ ہونا۔ میں تم سے ایسی باتیں پوچھوں گا جو تمہیں اچھی نہیں لگیں گی لیکن میں مجبور ہوں۔ یہ قتل

کی واردات ہے...... مجھے یہ بتائیں کہ اپنی بیٹی کو تم نے کبھی مظہر کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تھا؟ آپ کی بیٹی مظہر کی خالہ کے گھر جاتی ہو گی''۔

''ضرور جاتی ہو گی''...... شیدی کے بھائی نے جواب دیا...... ''ہم نے اپنی عورتوں کو اس کے گھر میں جانے سے کبھی نہیں روکا تھا۔ وہ تو ہماری اپنی برادری کا گھر ہے''۔

''مظہر کو تمہارے گاؤں سے گئے تین مہینوں سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے''...... میں نے پوچھا...... ''کیا ان تین مہینوں میں وہ تمہارے گاؤں آتا رہا ہے؟''

''کئی بار آیا ہے''۔...... باپ نے جواب دے کر پوچھا...... ''آپ کو اس پر شک ہے؟''

''یہ آپ خود سوچ کر بتائیں کہ اس پر مجھے شک کرنا چاہیے یا نہیں؟''

''وہ ایسا لڑکا نہیں''...... باپ نے کہا...... ''اگر آپ کو کوئی خفیہ باتیں معلوم ہوئی ہیں تو ہم یہ مان سکتے ہیں کہ لڑکی اس کے ساتھ چلی گئی ہے۔ ہم یہ نہیں مان سکتے کہ لڑکی کو مظہر نے قتل کیا ہے۔ یہ کوئی اور ہی معاملہ ہے''۔

ان سے میں پوچھتا گیا لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ سراغ کی بات مجھے لڑکی کی ماں سے یا اس کی سہیلیوں سے معلوم ہو سکتی تھی۔ کسی لڑکی کے باپ اور بھائی یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ اپنی زبان سے کہتے کہ ان کی لڑکی کسی آدمی کو چاہتی تھی۔ پاک محبت کو بھی یہ لوگ ناجائز تعلقات جیسا جرم سمجھتے ہیں۔

باپ بیٹا بہت ہی پریشان تھے۔ ان کی بے عزتی ہوئی تھی۔ ان کی لڑکی ماری گئی تھی۔ وہ تو مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ زبردست خاندان تھا۔ قاتل کو تو میں نے پکڑ ہی لینا تھا اور اسے سزائے موت یا عمر قید دلا دینی تھی لیکن مقتول کے لواحقین قانون کی سزا سے مطمئن نہیں ہوا کرتے تھے۔ وہ قاتل کے خاندان کے ایک دو

افراد کو قتل کر کے دم لیتے تھے پھر یہاں سے خاندانوں کی عداوت چل پڑتی تھی جو اگلی نسلوں تک جاتی تھی۔ میں ایسے خاندانوں کو جانتا ہوں جن کی عداوتیں میرے لڑکپن سے شروع ہوئی تھیں اور آج جب میری اولاد کی اولاد لڑکپن میں ہے ان خاندانوں کی دشمنیاں چل رہی تھیں۔

☆☆☆

آواز کا جادو

میں نے مقتولہ کے گاؤں میں اڈہ قائم کر لیا۔ لاش پوسٹ مارٹم کے بعد ابھی پہنچی تھی۔ ڈاکٹر کی رپورٹ یہ تھی کہ لڑکی دم گھٹنے یعنی رسی کے پھندے سے مری ہے اور یہ کنواری ہے۔ میرا خیال ٹھیک تھا کہ لڑکی کی عصمت محفوظ تھی۔ یہی چیز اور یہ بھی کہ لاش کے ساتھ سونے کا زیور موجود تھا میرے لیے ایک سوال تھا۔ اگر لڑکی کی عصمت پر حملہ ہوتا اور اس کا زیور اتار لیا جاتا تو کہا جا سکتا تھا کہ لڑکی اپنے چاہنے والے کے ساتھ کہیں جا رہی تھی۔ رات کا وقت تھا اور انہیں رہزن یا ڈاکو مل گئے' اس صورت میں وہ آدمی لڑکی کو ڈاکوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ گیا ہوگا۔ یہ جو صورت تھی کہ لڑکی کسی لحاظ سے بھی نہ لوٹی گئی۔ اس قسم کا شک پیدا کرتی تھی کہ لڑکی نے کسی اور کے ساتھ بھی محبت کے وعدے کر رکھے ہوں گے۔ اس آدمی کو پتا چل گیا ہوگا کہ لڑکی کسی اور کے ساتھ جا رہی ہے۔ اس نے رقابت کے جوش میں لڑکی کو قتل کر دیا ہو گا۔ اسے لڑکی کے زیور کے ساتھ دلچسپی نہیں تھی۔ اگر ایسا ہی ہوا ہے تو یہ شخص جرات والا ہوگا جرائم پیشہ نہیں تھا۔

سارا گاؤں کچھ ہراساں سا تھا۔ گاؤں کی سب سے زیادہ خوبصورت اور زندہ دل لڑکی قتل ہوگئی تھی۔ لڑکی اونچے خاندان کی تھی۔ لڑکی کے گھر سے مجھے عورتوں کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مجھے اب دن اور رات کا کوئی خیال اور احساس نہ تھا۔ مجھے مقتولہ کی سہیلیوں کی ضرورت تھی۔ ان کے نام بھی مجھے مقتولہ کی ماں سے مل سکتے تھے لیکن اسے میں ابھی بلانا نہیں چاہتا تھا۔ غم کی وجہ سے وہ بیان دینے کے قابل نہیں تھی۔ میں نے مقتولہ کے بھائی کو بلایا۔ حالت اس کی بھی ٹھیک نہیں تھی لیکن مجھے اپنا کام پورا کرنا تھا۔

نمبردار میرے ساتھ ہی تھا۔ میں نے اسے اور مقتولہ کے بھائی کو کہا کہ شیدی کی جو گہری سہیلیاں ہیں انہیں اسی وقت میرے پاس لے آئیں۔ نمبردار سے کہا کہ وہ

ان لڑکیوں کے باپوں وغیرہ کو تسلی ضرور دے کہ ان سے کچھ پوچھنا ہے وہ ڈریں نہیں۔ اگر وہ اپنی لڑکیوں کے ساتھ آنا چاہیں تو آ سکتے ہیں۔

آدھ گھنٹے تک تین لڑکیاں آ گئیں۔ وہ مقتولہ کے گھر تھیں۔ ان کے آنسو بہہ رہے تھے۔ لباس اور انداز سے وہ مجھے اچھے خاندانوں کی معلوم ہوتی تھیں۔ ایک کے ساتھ اس کا باپ اور دو بھائی ساتھ آئے تھے۔ میں نے ان تینوں آدمیوں اور تینوں لڑکیوں کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔

''تم میں سے کوئی بھی مشتبہ نہیں ہے'' ...... میں نے انہیں کہا ...... ''مجھ سے ڈرنا نہیں ...... مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ قاتل کو پکڑ کر اسے پھانسی کے تختے پر کھڑا کرنا ہے۔ گاؤں کی اتنی اچھی لڑکی ماری گئی ہے۔ وہ تمہاری سہیلی تھی۔ یہ بھی خیال رکھو کہ قاتل پکڑا نہ گیا تو کل کوئی اور لڑکی اس کے دھوکے میں آ کر ماری جائے گی۔ تم میں سے کوئی اس کے جال میں آ سکتی ہو۔ شیدی کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے''۔

اس طرح اور کئی باتیں تھیں جو میں نے انہیں کہہ کر ان کی گھبراہٹ دور کی اور انہیں تفتیش کے لیے تیار کر لیا۔ ایک لڑکی کو اپنے پاس بٹھائے رکھا اور باقی سب کو باہر بھیج دیا۔ میں نے اسے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیدی اپنی مرضی سے گئی تھی۔ وہ زیور اور پیسے بھی لے گئی تھی۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کسے چاہتی تھی''۔

''شیدی نے کبھی کسی ایسے آدمی کا ذکر نہیں کیا تھا جسے وہ چاہتی ہو'' ...... لڑکی نے جواب دیا۔

''وہ کسی نہ کسی کو تو ضرور چاہتی ہو گی'' ...... میں نے کہا ...... ''لڑکیاں اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنی محبت اور اپنی پسند کا ذکر کیا کرتی ہیں۔ تم اس کی سہیلی تھیں۔ تمہیں کچھ تو معلوم ہو گا۔ کیا وہ تمہارے ساتھ دل کی باتیں نہیں کیا کرتی تھی؟ ...... دیکھو تم میری چھوٹی بہن ہو مجھ سے ڈرو نہیں''۔

''ہاں جی!'' ...... اس نے کہا ...... ''ہم ایک دوسری کے ساتھ دل کی باتیں کیا

کرتی تھیں لیکن اس نے یہ کبھی نہیں بتایا تھا کہ اس کی کسی سے محبت ہے‘‘......اس نے ذراسوچ کر کہا......’’اسکی کہیں منگنی تو نہیں ہوئی تھی لیکن اسے یہ معلوم تھا کہ اس کی شادی کس کے ساتھ ہوگی اسے یہ لڑکا اچھا نہیں لگتا تھا‘‘۔

’’اسے کس نے بتایا تھا کہ اس کی شادی اسی لڑکے کے ساتھ ہوگی؟‘‘

’’ماں نے‘‘......لڑکی نے جواب دیا......’’برادری کے حساب کتاب کے مطابق شیدی کے لیے یہی لڑکا تھا۔امیروں کا بیٹا ہے۔ایسا برا تو نہیں لیکن شیدی کو اچھا نہیں لگتا تھا‘‘۔

’’ایسا تو نہیں کہ شیدی نے کبھی اس لڑکے کو خود ہی یا کسی کی زبانی کہا ہو کہ وہ اسے اچھا نہیں لگتا؟‘‘

’’نہیں‘‘......لڑکی نے جواب دیا......’’اگر ایسی بات ہوئی ہوتی تو شیدی مجھے ضرور بتاتی‘‘۔

اس لڑکی کے ساتھ بہت باتیں ہوئیں۔لڑکی جھجک دور ہوگئی جس سے مجھے سہولت ہوگئی۔اب تو وہ ایسی باتیں بھی کرنے لگی جن کی مجھے ضرورت نہیں تھی۔ شیدی کی عادتوں اور فطرت کے متعلق باتیں ہونے لگیں تو اس کی اس سہیلی نے انکشاف کیا کہ میرادماغ روشن ہونے لگا۔

’’گانا سننے کی بہت شوقین تھی‘‘......لڑکی نے بتایا’’سریلی اور دردوالی آواز پر وہ مرتی تھی‘‘۔

یہاں میں ایک بات واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں یہ بات گانے سے تعلق رکھتی ہے۔میں جس وقت کی بات کر رہا ہوں اس وقت گانوں صحیح معنوں میں موسیقی ہوتا تھا۔آج کل گانے اور موسیقی کا تعلق ٹوٹ گیا ہے۔دیکھتے دیکھتے ڈسکو اور پاپ میوزک گلی گلی اور گاؤں گاؤں پہنچ گیا ہے۔یہ دراصل میوزک یعنی موسیقی نہیں۔یہ شورشرابا اور ہلہ گلہ ہے۔ہمارے وقتوں میں آواز کا سوز اور موسیقی مل کر جادو کا اثر پید

اکرتے تھے۔ جیسا کہ آپ کو سنا چکا ہوں کہ مظہر کی آواز اور سر نے مجھے بھلا دیا تھا کہ میں تھانیدار ہوں۔

آج کی نسل تو تصور میں بھی نہیں لاسکتی کہ گاؤں کا ایک آدمی ہیر وارث شاہ سیف الملوک یا یوسف زلیخا کا منظوم قصہ گاتا تھا تو سننے والوں کو محسوس تک نہ ہوتا تھا کہ رات گزر گئی ہے۔ گانے والے ماہیا گاتے تھے۔ سی حرفی گاتے تھے۔

یہ چیزیں گانے والے خاص آواز کے گویے ہوتے تھے۔ وہ سننے والوں کو مسحور کر لیتے تھے۔ قوالی کا بھی ایک مقام تھا۔ سننے والوں پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ بعض پر ''حال'' پڑ جاتا تھا۔

شیدی کی سہیلی نے مجھے بتایا کہ شیدی جب اس قسم کے گانے سنتی تھی جن کا میں نے ذکر کیا ہے تو وہ اپنے آپ میں گم ہو جاتی تھی۔ قوالی اس پر وجد طاری کر دیتی تھی اور وہ اپنے قابو سے باہر ہو جاتی تھی۔

''اس گاؤں میں کوئی ایسا آدمی ہے جس کی آواز اسے اچھی لگتی تھی'' میں نے پوچھا۔

''ایک حافظ ہے''...... لڑکی نے جواب دیا...... ''اس کی آواز تو ہر کسی کو اچھی لگتی ہے۔ وہ نعتیں، ہیر اور سیف الملوک گاتا ہے۔ مسجد میں ہی رہتا ہے۔ کبھی کبھی شیدی ہم سب سہیلیوں کو گھر بلا کر حافظ کو بھی بلا لیا کرتی تھی اور اس سے اپنی پسند کی چیزیں سنا کرتی تھی''...... بولتے بولتے اس لڑکی کی آواز بھرا گئی اور وہ سسکیاں لینے لگی۔

حافظ کا مطلب قرآن حافظ نہیں۔ حافظ اندھے کو کہتے ہیں۔

''گانے والا صرف یہ حافظ ہی تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''پہلے حافظ ہی تھا جس کی آواز کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا'' شیدی کی سہیلی نے جواب دیا...... ''پھر گاؤں میں ایک ایسی آواز آ گئی جس نے لوگوں کے دلوں سے

حافظ کو اتار دیا۔ وہ شیدی کی ذات کا جوان لڑکا تھا‘‘ ..... لڑکی نے مظہر کے گاؤں کا نام لے کر کہا..... ’’وہاں اس کی ایک خاندان کے ساتھ دشمنی تھی ۔ اسے اس کے باپ نے یہاں اپنی خالہ کے پاس بھیج دیا تھا۔ اس کی آواز میں بڑا ہی درد تھا‘‘۔

’’وہ اب کہاں ہے؟‘‘

’’اپنے گاؤں چلا گیا ہے‘‘..... اس نے جواب دیا..... ’’وہ ایک سال یہاں رہا تھا‘‘۔

☆☆☆

موئے تے وچھڑے کون میلے

میں اس لڑکی کو آہستہ آہستہ اپنی بات کی طرف لایا۔ میں آپ کو مطلب کی بات سنا دیتا ہوں۔ شیدی پر مظہر کی آواز ایسا اثر کرتی تھی کہ اسے یہ بھی خیال نہیں رہتا تھا کہ وہ کہاں بیٹھی ہے اور اس کے پاس کون بیٹھا ہے۔ لڑکی نے یقین کے ساتھ بتایا کہ مظہر اور شیدی کی آپس میں کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مظہر شیدی کے بھائی سے ملتا ملاتا رہتا تھا اران کے گھر بھی جاتا تھا لیکن شیدی اسے الگ تھلگ کبھی نہیں ملی تھی۔ شیدی نے اپنی سہیلی کے ساتھ کبھی ایسی بات نہیں کی تھی کہ مظہر اس کے دل میں اتر گیا ہے یا وہ مظہر کو دل دے بیٹھی ہے۔

''دو تین بار اس نے کہا تھا''......لڑکی نے کہا......''کہ میں دعا کیا کرتی ہوں کہ مجھے ایسا خاوند ملے جس کی آواز سریلی ہو۔ ایک بار ہماری ایک سہیلی نے اسے کہا کہ ماں سے کہو کہ وہ تمہاری شادی مظہر کے ساتھ کر دیں۔ سہیلی نے یہ بات مذاق کے ساتھ کہی تھی لیکن شیدی نے آہ بھر کر کہا تھا میری قسمت اتنی تیز نہیں......بس اس سے زیادہ کبھی کوئی بات نہیں ہوئی''۔

میں نے مظہر کو ذہن سے نکال دیا تھا لیکن اس لڑکی نے اس خوبصورت جوان کو جس کی آواز کے سوز پر شیدی اپنے آپ کو بھول جاتی تھی پھر میرے ذہن میں ڈال دیا۔ میں نے اس لڑکی پر جرح شروع کر دی اور جس قدر گہرائی میں جا سکتا تھا گیا لڑکی سمجھ گئی تھی کہ مجھے مظہر پر شک ہے۔ اس نے ایک بار کہا کہ شیدی مظہر سے کبھی نہیں ملی تھی نہ اس نے کبھی ذکر کیا تھا کہ وہ مظہر کو چاہتی ہے۔

میں نے اسے باہر بھیج کر دوسری لڑکی کو بلایا۔ یہ کچھ شرمیلی تھی۔ اس نے بھی تقریباً وہی باتیں بتائیں تھیں جو پہلی لڑکی بتا چکی تھی۔ اس نے بھی کہا کہ شیدی سوز والی آواز پر مرتی ہے۔ اسنے ہیر وارث شاہ کا زیادہ ذکر کیا۔ میرے پوچھے بغیر اس لڑکی نے کہا کہ شیدی ہیر وارث شاہ کے وہ بیت بہت پسند تھے جس میں آتا ہے

......بھلا موئے تے وچھڑے کون میلے کون جی داروگ......"

"شیدی اکثر یہ سارا بیت گنگنایا کرتی تھی"......لڑکی نے کہا اور اس کے آنسو نکل آئے۔

"اس نے یہ بند مظہر سے سنا ہوگا!"

"جی"......لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا......"وہ یہ بیت زیادہ گایا کرتا تھا"۔

مجھے ایسے لگا جیسے میرے سینے میں بڑی زور کا دھماکا ہوا ہو۔ میں نے جب مظہر کے گاؤں میں گانا سنانے کو کہا تھا تو اس نے ہیر وارث شاہ کا یہی بند سنایا تھا۔ یہ مصرعہ جو اس لڑکی نے مجھے بتایا تھا' اسی بند کا ہے۔ یہ کوئی ایسا ثبوت نہیں تھا کہ میں مظہر کو مجرم سمجھ بیٹھتا لیکن یہ بڑا واضح اشارہ تھا کہ مقتولہ اور مظہر کے درمیان کوئی تعلق ضرور تھا۔

میں نے تیسری لڑکی کو بلایا۔ وہ ہوشیار اور کھل کر بات کرنے والی تھی۔ اس نے جو بیان دیا وہ پہلی دونوں لڑکیوں کی تائید کرتا تھا۔ اس نے بتایا کہ شیدی کی دوستی اس کے ساتھ دوسری دونوں لڑکیوں کی نسبت گہری تھی اور اس کے ساتھ تو وہ اپنے دل کی ہر بات کر لیا کرتی تھی۔

"شیدی نے یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ اس کے دل میں مظہر کی محبت ہے"۔ اس لڑکی نے کہا......"لیکن میں کہتی ہوں کہ مظہر شیدی کے دل پر بڑا سخت اثر کر گیا تھا۔ اس کی آواز پر وہ عاشق تھی۔ ویسے بھی وہ خوبصورت آدمی ہے۔ میں نے شیدی سے ایک بار ہنسی ہنسی کہا تھا کہ اس کے دل پر مظہر کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اس نے یہ اداس ہو کر کہا تھا کہ جس چیز تک ہاتھ ہی نہ پہنچ سکے اس کی خواہش ہی کیا کرنی"۔

"مظہر کیسا آدمی ہے"......میں نے پوچھا......"اس کا اخلاق کیسا ہے؟"

"اچھے اخلاق کا لڑکا ہے"......اس لڑکی نے جواب دیا......"وہ یہاں آیا تو

گاؤں کے بہت سے لوگ اس کے دوست بن گئے تھے۔ وہ رات کو اسے باہر بٹھا لیتے اور گانا سنتے تھے۔ دن کو وہ شریفوں کی طرح رہتا تھا۔ اس کی شہرت یہ تھی کہ کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا''۔

اس لڑکی نے یقین سے تو کچھ نہ کہا کہ لیکن میرا شک پکا کر دیا۔

رات کا آخری پہر تھا۔ مقتولہ کے گھر سے عورتوں کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ گاؤں کے لوگ جا رہے تھے۔ میں نے گاؤں کے نمبردار کو بلایا۔ اس سے رپورٹ لے کر ذیلدار کو بلایا۔ اس سے بھی بہت سی باتیں پوچھیں۔ گاؤں میں میرے دو مخبر تھے۔ انہیں بلا کر پوچھا۔ ان سب نے کہا کہ مظہر اخلاقی لحاظ سے ٹھیک تھا۔ شوخ اور زندہ دل تھا لیکن کوئی شرارت یا بدمعاشی نہیں کرتا تھا۔ شیدی کے متعلق بھی ان کی رائے اچھی تھی۔ یہ سب نے کہا کہ شوخیاں کرنے والی لڑکی تھی۔ اس سے شک ہوتا تھا کہ اس کا چال چلن ٹھیک نہیں لیکن وہ پاک صاف لڑکی تھی۔

رات گزر گئی۔ مجھے اب مقتولہ کی ماں کی ضرورت تھی۔ میں جانتا تھا وہ کس ذہنی حالت میں ہو گی لیکن میں تفتیش کو روک نہیں سکتا تھا۔ میں نے مقتولہ کے باپ کو بلا کر ہمدردی کی کچھ باتیں کیں اور اسے کہا کہ ہم نے وقت ضائع کیا تو قاتل ہمارے جا سے نکل کر دور چلا جائے گا۔

وہ میری بات سمجھ گیا اور اپنی بیوی اور اپنے بڑے بیٹے کی بیوی کو ساتھ لے آیا۔ میں نے مقتولہ کی ماں کو اپنے پاس بٹھایا اور اسکے ساتھ افسوس اور ہمدردی کا اظہار کیا' پھر اسے کہا کہ میں قاتل کو پکڑ کر پھانسی دلانا چاہتا ہوں اس لیے وہ اپنے آپ کو ذرا سنبھالے اور میں جو پوچھوں وہ صحیح بتا دے۔ مجھے توقع تھی کہ وہ بھڑکی ہوئی ہے اس لیے صاف بتا دے گی۔

☆☆☆

بہن کا ایک ہی بیٹا

میں نے اس سے پہلا سوال یہ کیا کہ اسے کس پر شک ہے۔ اس نے میری توقع کے خلاف مجھے کوری سلیٹ دکھا دی۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون ہے جسے وہ اتنی زیادہ چاہتی تھی کہ اس نے خاندان کی عزت کا بھی خیال نہ کیا۔ ماں نے یہ جواب دے کر مجھے مایوس کر دیا کہ اس کے دل میں ایسا کوئی آدمی نہیں تھا۔ اگر کوئی تھا تو اسے معلوم نہیں۔

''کیا شیدی نے تمہیں کبھی کہا تھا کہ وہ لڑکا اسے اچھا نہیں لگتا جس کے ساتھ تم لوگ اس کی شادی کرنا چاہتے تھے؟''...... میں نے پوچھا۔

''ہاں یہ اس نے کہا تھا...... ماں نے جواب دیا...... ''اتنا اچھا لڑکا اسے پسند نہیں تھا''۔

''ذرا دماغ پر زور دو''...... میں نے اسے کہا...... ''دوسرے گاؤں کا ایک جوان لڑکا مظہر پورا سال یہاں رہ گیا ہے۔ کیا شیدی مظہر کے یہاں آنے سے پہلے بھی کہتی تھی کہ اسے وہ لڑکا پسند نہیں؟''...... میں نے اسے لقمہ دیا...... ''میرا خیال ہے کہ مظہر کے آنے کے بعد تمہاری بیٹی نے کہنا شروع کیا تھا کہ......''

اس نے ماتھا سکیڑ کر ذہن پر زور دیا پھر میری طرف دیکھا اور کچھ دیر دیکھتی رہی جیسے وہ میرے سوال پر حیران ہو رہی ہو۔

''آپ کا خیال ٹھیک ہے''...... اس نے کہا...... ''لیکن میں نے مظہر اور اس کے درمیان شک والی کوئی بات کبھی نہیں دیکھی تھی''۔

''جب تمہیں پتا چلا تھا کہ تمہاری بیٹی گھر سے نکل گئی ہے تو تم نے کچھ تو سوچا ہو گا کہ وہ کس کے ساتھ گئی ہو گی''...... میں نے کہا...... ''کیا تمہارے ذہن میں مظہر کا خیال آیا تھا''۔

''نہیں''...... اس نے جواب دیا...... ''مظہر پر ذرا سا بھی شک نہیں ہوا

تھا''......اس نے مجھ سے پوچھا......''آپ مظہر کا نام بار بار کیوں لیتے ہیں؟ کیا آپ کو اس کے خلاف شک ہے؟''

''کوئی پکا شک نہیں''......میں نے کہا......''میں تو اندھیرے میں ہاتھ مار رہا ہوں۔تم مجھے راستہ دکھاتی چلو۔ میں قاتل تک پہنچ جاؤں گا......ایک بات بتاؤ......کیا مظہر کی خالہ نے کبھی تمہیں کہا تھا کہ شیدی کا رشتہ مظہر کو دے دو''۔

''ایک بار بات ہوئی تھی''......اس نے جواب دیا......''اس کی خالہ نے کہا تھا کہ مظہر اور شیدی کتنا پیارا جوڑا ہے۔لیکن مظہر کی منگنی ہو چکی ہے......میں نے کہا تھا کہ ادھر میں نے شیدی کی زبان دے رکھی ہے......ایک روز پھر مظہر کی خالہ نے کہا تھا کہ مظہر کا دل وہاں سے اکھڑ گیا ہے جہاں اس کی منگنی ہو چکی ہے......اس کے بعد ایسی بات کبھی نہیں ہوئی''۔

''شیدی مظہر کی خالہ کے گھر جاتی تھی؟''

''جاتی تھی''......ماں نے جواب دیا......''لڑکے کی خالہ بڑی اچھی عورت ہے۔شیدی کے ساتھ تو اسے بہت پیار تھا''۔

میں نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ مظہر اور شیدی ملتے ملاتے ہوں گے۔شیدی کی ماں کو بہت کریدا لیکن میرا مطلب پورا نہ ہوا۔میں نے شیدی کی ماں کو بھیج کر مظہر کی خالہ کو بلایا۔وہ بھی رو رہی تھی۔میں نے اس سے کہا کہ وہ کوئی بات چھپانے کی کوشش نہ کرے'شیدی کی ماں نے مجھے بہت سی باتیں بتا گئی ہے۔

اس نے یہ بھی کہا کہ مظہر اور شیدی ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے''......میں نے جھوٹ بولا......''اور شادی کرنا چاہتے تھے اور تم مظہر کے لیے شیدی کا رشتہ لینا چاہتی تھی''۔

''بڑا افسوس ہے''......اس نے کہا......''وہ تو میری منہ بولی بہن بنی ہوئی ہے اور اتنا جھوٹ بول گئی ہے۔میرے بھانجے نے کبھی شیدی کا نام نہیں لیا تھا''۔

''اگر نام لیتا تو کیا یہ جرم ہوتا''...... میں نے پوچھا...... ''کیا شیدی کا چال چلن خراب تھا؟''

''نہ جی!''...... اس نے کہا...... ''بے چاری کی میت ابھی سامنے پڑی ہوئی ہے اور میں اسے بدنام کرنا شروع کر دوں۔ شیدی کا چال چلن تو خراب نہیں تھا۔ اسے کوئی آدمی اچھا لگا اور اس کے دھوکے میں آ گئی''۔

''کیا یہ صحیح ہے کہ مظہر وہاں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا جہاں اس کی منگنی ہوئی ہے؟''

''نہ جی!''...... اس نے جواب دیا...... ''وہ اسی لڑکی کو پسند کرتا ہے''۔

''شیدی تمہارے پاس آیا کرتی تھی؟''...... میں نے پوچھا...... ''مظہر کے ساتھ وہ کس طرح بات کرتی تھی؟''

''آپ مظہر بے چارے کے کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں؟''...... اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا...... ''اس پر شک نہ کریں۔ وہ میری بہن کا ایک ہی بیٹا ہے۔ وہ تو شیدی کے مرنے کی خبر سن کر آیا ہوا ہے۔ شیدی کے بھائی نے اسے اطلاع بھیجی تھی۔ وہ بڑے پکے دوست ہیں''۔

اس عورت کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ وہ اپنے بھانجے کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ کہتی تھی کہ مظہر اور شیدی کی آپس میں کبھی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ مظہر کے خلاف مجھے ابھی تک کوئی شہادت نہیں ملی تھی۔ اس کے خلاف میرا شک ابھی شک ہی تھا۔ چونکہ شک کی کڑیاں مظہر سے ملتی تھیں اور بعض اشارے بڑے صاف تھے۔ اس لیے میں مظہر کے خلاف شک رفع کر کے کسی اور طرف دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے مخبروں کو کام پر لگا دیا تھا۔ مظہر کی خالہ کو بھی میں نے فارغ کر دیا۔ اب شیدی کے بڑے بھائی کی بیوی رہ گئی تھی۔ اس سے بھی مجھے کچھ حاصل نہ ہوا۔ شیدی کو اس سے بہت پیار تھا۔ اسے بھی شیدی نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ کسی کو

چاہتی ہے۔

☆☆☆

عورت اس کلاس کی

اس عورت نے مجھے بتایا تھا کہ مظہر آیا ہوا ہے۔ اس سے مجھے خیال آیا کہ قاتل اگر یہ شخص ہوتا تو یہاں نہ آتا۔ اتنا حوصلہ صرف پیشہ ور قاتلوں میں ہوتا ہے کہ وہ کسی کو قتل کر کے اطمینان سے پھرتے رہتے ہیں۔ کوئی اور آدمی خواہ وہ بہت ہی دلیر ہو قتل کے بعد اطمینان سے نہیں رہ سکتا۔ مظہر پیشہ ور قاتل نہیں تھا۔

میں رات کو سویا نہیں تھا۔ اس سے پہلے سارا دن مصروف رہا تھا۔ اب دماغ چکرا رہا تھا۔ میں ذرا آرام کے لیے لیٹ گیا۔ اونگھ آئی اور اس کے ساتھ ہی باہر شور اٹھا۔ کوئی عورت چلا رہی تھی...... ''میرا بچہ کہاں ہے...... اس بے گناہ کو تم نے مروا دیا ہے...... کہاں ہے تھانیدار؟'' کچھ لوگ اسے دھتکار رہے تھے۔ شاید نمبردار کی آواز تھی۔ وہ اسے ننگی گالیاں دے رہا تھا۔ میں اٹھا اور باہر نکل گیا۔ غریب سی ایک عورت کو نمبردار اور میرے کانسٹیبل دھکے دے رہے تھے اور عورت روتی اور چلاتی تھی...... میرے بچے کا کیا قصور ہے''۔

''اسے آنے دو''...... میں نے گرج کر کہا۔

انہوں نے عورت کو چھوڑا تو عورت نے میری طرف دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ میری طرف آئی۔ وہ مزدوری کرنے والی عورت لگتی تھی۔ میرے قریب آ کر وہ میرے پاؤں میں گر پڑی۔

''اللہ تیری بادشاہی قائم رکھے''...... اس نے میرے پاؤں پکڑ کر پھر ہاتھ جوڑ کر کہا...... ''میرے بچے کو چھوڑ دے۔ میں تھانے سے ہو آئی ہوں۔ اسے تیرے آدمیوں نے اتنا مارا ہے کہ مجھے پہچانتا ہی نہیں''۔

میں اسے اندر لے گیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور وہ کون سے بچے کی بات کر رہی ہے۔ وہ شیدی کے نوکر کی ماں تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ شیدی گھر سے غائب ہوئی تو نوکر بھی ساتھ ہی غائب ہو گیا۔ لیکن شیدی کے گھر والے نوکر کی ماں کو بتاتے رہے کہ شیدی کسی گاؤں گئی ہے اور نوکر کو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ سیدھی اور نادار سی یہ عورت اسی کو سچ مانتی رہی۔ گاؤں میں خبر پہنچی کہ شیدی قتل ہو گئی ہے تو یہ عورت

اپنے بیٹے کا پوچھنے لگی۔ شیدی کے گھر سے اسے گالی گلوچ ملی۔

شیدی کی لاش پوسٹ مارٹم کے بعد آئی تو اس عورت کو اپنا بیٹا نظر نہ آیا۔ کسی نے اسے بتا دیا کہ وہ تھانے میں ہے۔ ماں تھانے کو دوڑ پڑی۔ اس کے بیٹے کو اور دوسروں کو میں نے ابھی حوالات میں بند کرنے کو نہیں کہا تھا۔ وہ تھانے کے برآمدے میں بیٹھے تھے۔ ماں کو اپنا بیٹا دکھائی نہ دیا تو وہ دوڑ کر اس تک پہنچی۔ بیٹے نے اسے پہچانا ہی نہیں۔ اسے میرے آدمیوں نے دھکے دیکر باہر نکالا لیکن وہ روتی چیختی اور اپنے بیٹے کی طرف دوڑتی تھی۔ کسی نے اسے کہا کہ اس کے بیٹے کو مارا پیٹا ہے جس سے اس کا دماغ بگڑ گیا ہے۔ مجھے بعد میں پتہ چلا کہ یہ بات خوجے نے اسے کہی تھی۔ اسے ٹالنے کے لیے کہا گیا کہ تھانیدار اسی کے گاؤں میں ہے اور وہ گاؤں جا کر مجھے ملے۔ وہ وہاں میرے پاس آ گئی۔

''وہاں کہتے تھے کہ تیرا بیٹا پاگل ہو گیا ہے''...... اسنے مجھے کہا...... ''وہ کیوں پاگل ہوا ہے؟ اسے کسی نے مارا پیٹا ہے۔ اس نے کیا گناہ کیا ہے؟ گناہ اس کے ہوتے ہیں اور سزا ہیں ملتی ہے''۔

میں نے اسے بتایا ک اسکے بیٹے نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس نے دو تین ایسی باتیں کہہ دیں جو میں سمجھا کہ غصے میں کہہ رہی ہے لیکن اس نے یہ باتیں صاف نہیں کی تھیں ادھوری اشاروں میں کی ہوئی ان باتوں سے میں اتنا سمجھ گیا کہ اس کے سینے میں کچھ ہے لیکن یہ مجھ سے ڈرتی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ تسلی دلاسے سے باتیں کیں اور اس کے دل پر میرا جو ڈر تھا وہ اتار دیا۔ میں اس کا سینہ کھولنا چاہتا تھا۔

میں ایک اور بات صاف کرنا چاہتا ہوں۔ ذہن میں رکھیں کہ میں انسان تھا فرشتہ نہیں تھا کہ مجھے پتہ چل جاتا کہ اس عورت کے سینے میں کوئی راز ہے۔ اس عورت پر توجہ مرکوز کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ عورت اس کلاس سے تعلق رکھتی تھی جو

شیدی کے خاندان جیسے خاندانوں کی پیدائشی نوکر اور غلام ہوتی ہے۔ اس کلاس کے بچوں کو پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ وہ ان زمینداروں اور جاگیرداروں کی خدمت کے لیے اور ان کا ہر حکم خواہ وہ کتنا ہی گھٹیا ہو بجالانے کے لیے اور ان کے گناہوں کی گٹھڑی اپنے سر پر اٹھانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔

اس کلاس کو حویلیوں چوباروں اور زرخیز کھیتیوں سے اتنی سی روٹی ملتی ہے جو انہیں صرف زندہ رکھتی ہے۔ ان کی عورتیں اپنے آقاؤں کی عورتوں کے پھینکے ہوئے کپڑے پہنتی ہیں۔ نوکری اور مشقت کرنے والی ان عورتوں کو عشق و محبت اور ناجائز تعلقات میں پیغام رسانی یعنی خفیہ ملاقاتوں کے لے وقت اور جگہ ایک دوسرے کو بتانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا انہیں نقد انعام ملتا ہے۔ انعام نہ بھی ملے تو ان کا فرض ہے کہ حکم مانیں اور چپ رہیں۔ راز کو سینے میں دبائے رکھنے کے لیے ان کی منت سماجت نہیں کی جاتی ان کے لیے یہ حکم آرڈیننس کی حیثیت رکھتا ہے کہ راز کو راز رکھیں منہ بند رکھیں۔

اس کلاس کی عورتوں کو آقاؤں کی کلاس کے خاوند اپنی بیویوں کو اور بیویاں اپنے خاوندوں کو زہر دینے کے لیے استعمال کیا کرتی ہیں۔ انہیں جھوٹی گواہیوں کے لیے عدالت میں لے جاتا ہے۔ ان سے لاشیں غائب کرائی جاتی ہیں۔ یہ کلاس صرف دیہات میں نہیں ہوتیں۔ شہروں میں بھی پائی جاتی ہے اور اس کا استعمال یہی ہوتا ہے۔

اس کلاس کی ایک عورت میرے سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ ماں تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ بیوہ ہے اور یہی ایک لڑکا اس کی کل اولاد ہے جو شیدی کے گھر نوکر تھا۔ یہ عورت بھی نوکرانی تھی لیکن کسی ایک گھر کی نہیں۔ اس خاندان کے کئی گھروں میں کام کرتی تھی اور رات جھگی سی قسم کے ایک مکان میں سو جاتی تھی۔

میں نے اسے بڑی اچھی طرح سمجھا دیا کہ وہ میرے ساتھ جو بات کرے گی اس کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ وہ پھر بھی ڈر رہی تھی۔ میں نے اسے کہا کہ وہ زبان بند رکھے گی تو اس کا بیٹا رگڑا جائے گا۔ یہ ایسی دلیل تھی جسے وہ فوراً سمجھ گئی۔

☆☆☆

بھائی بہنوں کا زیور اتارا نہیں کرتے

اس نے جب بات شروع کی تو مجھے مایوسی ہونے لگی کیونکہ اس نے اپنا تاریخی جغرافیہ سنانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے اس کی بات کا رخ پھیرنے کے لیے سوالات شروع کر دیے۔ پھر بھی اس کے منہ سے کام کی کوئی بات نہیں نکل رہی تھی۔ میں نے اتنا محسوس کر لیا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی اور وہ بہت ہی سیدھی عورت تھی۔ میں اس سے پوچھتا تھا کہ شیدی کے در پردہ تعلقات کس کے ساتھ تھے۔ وہ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتی تھی۔ اس نے یہ بتا دیا کہ وہ شیدی کے اعتماد کی نوکرانی تھی اور شیدی اسے بہت خوش رکھتی تھی۔

''شیدی نے تمہیں کبھی کہا تھا کہ جاؤ فلاں آدمی کو میری طرف سے یہ بات کہہ دو؟''...... میں نے پوچھا۔

پہلے تو وہ میرے منہ کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے سر جھکا لیا۔ جب سر اٹھایا تو اس نے اپنے ہاتھ ذرا سے گھما کر اور سر ہلا کر کہا ''کہتی ہو گی مجھے کیا پتا مجھے اپنا بیٹا چاہیے وہ بے گناہ ہے''۔

مجھے غصہ آ گیا۔ غصہ اس بات پر آیا تھا کہ بیکار وقت ضائع کیا یہ تو بد بخت ذہنی لحاظ سے بہت کمزور ہے۔ میں نے غصہ اس پر جھاڑ دیا اور میرے منہ سے نکل گیا...... ''بیٹے کو پھانسی چڑھنے دو پھر اس کی لاش لے آنا''۔

وہ تڑپنے لگی اور میرے پاؤں میں بیٹھ گئی۔ میں نے اسے کہا کہ صاف کہہ دو کہ تجھے کچھ بھی معلوم نہیں یا جو کچھ تمہیں معلوم ہے بتا دو پھر اپنا بیٹا مجھ سے لے لینا۔

اس نے سب سے پہلے مظہر کا نام لیا۔ شیدی اس عورت کی زبانی اسے پیغام بھیجتی تھی کہ فلاں جگہ آ جاؤ۔ ان کی اس قسم کی ملاقاتیں بہت کم ہوتی تھیں۔ زیادہ تر ملاقاتیں یوں ہوتی تھیں کہ مظہر کی خالہ کسی دوسرے گھر گپ شپ لگانے چلی جاتی اور خالو اپنے کام سے نکل جاتا۔ شیدی نوکرانی کو مظہر کی خالہ کے گھر یہ دیکھنے کے

لیے بھیجتی تھی کہ مظہر گھر میں اکیلا ہے یا کوئی اور بھی ہے۔ایک سال میں ان کی دو ملاقاتیں اتنی دلیرانہ تھیں کہ پکڑے جاتے تو وہ دونوں قتل ہو جاتے۔ یہ ملاقاتیں شیدی کے چوبارے پر ہوئی تھیں۔اوپر جانے کے دو راستے تھے۔ایک پیچھے تھا جو عام طور پر استعمال نہیں ہوتا تھا۔شیدی نے نوکرانی کی زبانی پیغام بھیجا تھا کہ رات کو ادھر کے دروازے کی زنجیر کھلی ہوگی۔

مظہر ایک سال بعد اپنے گاؤں میں چلا گیا تو نوکرانی نے شیدی کو اکیلے بیٹھے روتے دیکھا۔دس بارہ دنوں بعد مظہر پھر آیا اور تین چار روز اپنی خالہ کے گھر رہا۔ نوکرانی شیدی کے کہنے پر مظہر سے ملی اور ان کی ملاقات ہوئی۔اس کے بعد شیدی کے لاپتہ ہونے تک تین مہینے گزر گئے۔اس عرصے میں مظہر تین بار شیدی کے گاؤں آیا۔آخر بار وہ آیا اور چلا گیا اور نوکرانی کو شیدی کے گھر والوں نے بتایا کہ شیدی نے اسکے بیٹے کو ساتھ لے کر فلاں گاؤں اپنے رشتہ داروں کے ہاں گئی ہے۔

نوکرانی کو معلوم نہیں تھا کہ انہوں نے بھاگ جانے کا پروگرام کس طرح طے کیا تھا۔اسے یہ بھی یقین نہیں تھا کہ شیدی مظہر کے ساتھ ہی گئی تھی۔نوکرانی نے میری پوچھ گچھ میں یہ بھی بتایا کہ اسے پکا شک ہے کہ مظہر کی خالہ کو ان کی ملاقاتوں کا علم تھا ۔اس نے بتایا کہ ایک روز شیدی گھر پر نہیں تھی۔ان کے مہمان آ گئے۔شیدی کی ماں نے نوکر سے کہا کہ شیدی جہاں کہیں بھی ہے' اسے بلا لائے۔نوکر باہر نکلا تو اسے اپنی ماں مل گئی۔ماں شیدی کے گھر ہر وقت نہیں رہتی تھی۔وہ تو ہر کسی کا کام کرتی تھی۔اس کے بیٹے نے اسے کہا کہ گھر میں مہمان آ گئے ہیں اور شیدی کو بلاتے ہیں۔

ماں کو معلوم تھا کہ شیدی کہاں ہوگی۔وہ مظہر کی خالہ کے گھر گئی۔خالہ گھر تھی۔ شیدی بھی نہیں تھی مظہر بھی نہیں تھا۔نوکرانی نے خالہ سے شیدی کے متعلق پوچھا اور بتایا کہ اس کے گھر مہمان آئے ہیں۔خالہ نے اسے بتایا کہ شیدی یہاں نہیں آئی۔خالہ نے یہ بھی کہا کہ جاؤ وہ آ جائے گی۔نوکرانی شیدی کو کسی اور گھر دیکھنے کو

چل پڑی۔ اس نے ویسے ہی پیچھے دیکھا۔ شیدی مظہر کی خالہ کے گھر سے نکل رہی تھی۔ نوکرانی واپس آئی تو اندر سے مظہر نکلا۔ شیدی رک گئی۔ اس نے نوکرانی کو ساتھ لیا اور اسے کہا کہ گھر یہ نہ بتانا کہ میں یہاں تھی۔ تم کہیں اور چلی جاؤ۔ میں ظاہر کروں گی کہ میں خود ہی آ گئی ہوں۔

نوکرانی کو ایک آنہ انعام ملا تھا جو اس زمانے میں بڑی رقم سمجھی جاتی تھی۔ اب نوکرانی مجھ سے انعام مانگ رہی تھی۔ وہ روتی تھی میرے آگے ہاتھ جوڑتی تھی۔ مجھے ابھی معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس واردات میں اس کے بیٹے کا کیا رول تھا۔ وہ کہتی تھی کہ اسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ وہ تو بدھو تھا۔ شیدی کے باپ اور بھائی نے اور جس کسی سے میں نے نوکر کے متعلق پوچھا اسے بہت سیدھا دیانت دار اور بدھو کہا۔ پھر اسے ہوا کیا۔ وہ بولتا تو ہے مگر اپنا نام کیوں نہیں بتاتا؟

مجھے ایک خیال آیا۔ شیدی کو اس کے سامنے قتل کیا گیا ہوگا۔ اس منظر کو وہ برداشت نہ کر سکا اور اس کا دماغ صدمے سے بیکار ہو گیا۔ مگر جائے واردات پر یا راستے میں کہیں بھی اس کا کھرا نہیں ملتا تھا۔ بہر حال یہ نوکر میرے لیے معمہ تھا۔

میں نے نوکرانی کو بہت تسلیاں دیں۔ وعدے کیے کہ اسے اپنا بیٹا بالکل صحیح حالت میں مل جائے گا۔ ماں ڈرتی بھی تھی کہ بڑے لوگوں کی عشق بازیوں اور کرتوت میں اس کا بیٹا بے گناہ مارا جائے گا۔

وہ ٹھیک کہتی تھی لیکن شیدی اور مظہر کی عشق بازی گناہ سے پاک تھی۔ اس کا میرے پاس پکا ثبوت تھا اور یہ ثبوت پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر نے دیا تھا۔

نوکرانی کے ساتھ خاصا وقت لگ گیا۔ مقتولہ کا جنازہ جا چکا تھا۔ میں نیند اور آرام کو بھول گیا اور مظہر کی خالہ کو بلا لیا۔ اس نے میرے آگے جھوٹ بولے تھے۔ پہلے کی طرح اب بھی اس کے چہرے پر گھبراہٹ تھی لیکن میں نے اس کی گھبراہٹ دور کرنے کی کوشش نہ کی۔ آتے ہی میں نے اسے کہا...... ''اب جھوٹ بولو اور دیکھو تم

کس طرح حوالات میں پہنچتی ہو''۔

وہ بہت اچھی شکل وصورت والی عورت تھی ۔رنگ گورا تھا جو زرد ہو گیا اور اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں ۔وہ اونچے خاندان کی معزز عورت تھی ۔ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی تھی ۔میں اس کی اسی کمزوری کو استعمال کر رہا تھا۔

''تمہاری عزت اس میں ہے کہ سچ بولو''……میں نے کہا……''اب بھی پردہ ڈالو گی تو سارے گاؤں کے سامنے تمہاری عزت سے پردہ اٹھ جائے گا''……میں نے آگے ہو کر کہا……''تمہیں معلوم ہے کہ شیدی مظہر کے ساتھ گئی تھی''۔

''نہیں……اللہ کی قسم!''……اس نے تڑپ کر اور اپنے دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر کہا……مجھے معلوم نہیں''۔

''تم بکواس کرتی ہو''……میں نے کہا……''ان کی ملاقاتیں تمہارے گھر میں ہوتی تھیں ۔تم صحن میں پہرہ دیتی تھی……اب جھوٹ بولو''۔

''یہ سب ٹھیک ہے''……اس نے کہا……''لیکن ان کے جانے کا مجھے علم نہیں''۔

''ان کی ملاقاتوں کا تمہیں علم تھا؟''

''جی''۔

''پہلے کیوں جھوٹ بولا تھا؟''……میں نے پوچھا……''یہ کیوں کہا تھا کہ مظہر نے شیدی کا کبھی نام نہیں لیا تھا؟''

''وہ میری بہن کا اکلوتا بیٹا ہے''……اس نے منت سماجت کے لہجے میں جواب دیا……''میں اسے نہیں پکڑوا سکتی''۔

اس نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے اور رو کر کہنے لگی……''کیا آپ اسے پکڑ لیں گے؟ میرے گھر میں جو زیور اور پیسہ ہے آپ کے آگے رکھ دوں گی میرے بھانجے کو نہ پکڑیں''۔

''میں اسے خون تو نہیں بخش سکتا''……میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر

کہا..... ''میں تمہیں اپنی سگی بہن کہتا ہوں۔ میں بھی تمہاری طرح عزت والے خاندان کا آدمی ہوں۔ عزت والے مرد اپنی بہنوں کو بے عزت نہیں ہونے دیا کرتے اور بھائی اپنی بہنوں کا زیور اتارا نہیں کرتے..... مجھے بھائی سمجھ کر سچ بتا دو۔ تمہارے بھانجے کو بچانا میرا کام رہا''۔

''اس نے اپنے سر پر رکھا ہوا میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور سر سے اتار کر اپنے ہونٹوں سے لگایا اور پھر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

''یہ سوچ لو کہ بہن بھائی کا رشتہ نبھانا بڑا مشکل کام ہے''..... اس نے کہا..... ''سچ مجھ سے سن لو۔ وہ چوری چوری اکٹھے بیٹھتے تھے لیکن میں اپنے سر پر قرآن رکھ کر کہتی ہوں کہ دونوں نے مجھے نہیں بتایا کہ شیدی مظہر کے پیچھے گھر سے نکل جائے گی۔ بیوقوف بچی نے ذلیل حرکت یہ کی کہ گھر سے زیور اور پیسے بھی اٹھا کر لے گئی۔ مظہر کو زور اور پیسے کیا کرنے تھے؟ اس کے گھر تو سونے چاندی کی ندی بہتی ہے''۔

''تمہیں اگر پہلے معلوم نہیں تھا تو پھر کس طرح پتہ چلا کہ شیدی مظہر کے ساتھ گئی ہے؟''..... میں نے پوچھا۔

''مظہر میرے پاس آیا تھا''..... اس کی خالہ نے بتایا..... ''میں نے اسے دیکھتے ہی کہا کہ کل رات سے شیدی کا پتہ نہیں چل رہا۔ اس نے کہا کہ شیدی اس کے گھر میں ہے۔ وہ مجھے یہی بتانے آیا تھا''۔

☆ ☆ ☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

وہ جنازہ پڑھنے آیا تھا

اس عورت نے جو کہانی سنائی اور میں نے جو جرح اور چھان بین کی اس سے انکشاف ہوا کہ مظہر کی منگنی ہو چکی تھی لیکن شیدی کے گاؤں میں آ کر شیدی اس کے دل میں اتر گئی۔ محبت کے اظہار میں پہل شیدی نے کی وہ ایک دوسرے میں ایسے کھو گئے کہ دنیا کو اور حقیقی حالات بھول گئے۔ ان کا کمال یہ تھا کہ خالہ کے سوا کسی کو ان کی محبت کی بھنک تک نہ مل سکی۔

مظہر کی خالہ کی عمر پینتیس اور چالیس سال کے درمیان ہو گئی تھی۔ اس کی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ خدا نے بچے کے آثار بھی پیدا نہ ہونے دیے۔ مظہر اس کی بہن کا ایک ہی بچہ تھا۔ خالہ کو یہ بچہ بہت اچھا لگتا تھا۔ اپنے گاؤں جاتی تو بچے کو اپنے ساتھ چپکائے رکھتی۔ بچہ بڑا ہوا تو اسے سسرال میں بلا لیتی اور دو چار دن اسے اپنے پاس رکھتی۔ وہ بچے کو مظہر نہیں مزری کہتی تھی۔ مظہر جوان ہوا تو خوش طبع اور مسحور کر دینے والا گویا نکلا۔ لیکن اپنے دشمنوں کے لیے وہ مصیبت بن گیا۔ زبردست لٹھ باز اور دلیر تھا۔ اس کے ساتھ ہی اکلوتہ ہونے کی وجہ سے شہزادہ بن گیا تھا۔ اپنی بات منواتا اور اپنی کرتا تھا۔

اب اسے ایک سال کے لیے اپنا گاؤں چھوڑنا پڑا۔ دشمنوں نے اس کی نیک چلنی کی ضمانت کرا دی تھی۔ وہ خالہ کے پاس آ گیا۔ خالہ کو اس سے اور اسے خالہ سے بہت پیار تھا۔ شیدی کے ساتھ اس کا تعلق پیدا ہوا تو اس نے خالہ کو بتا دیا اور قسم کھا کر کہا کہ شیدی کے ساتھ اس کی محبت پاک ہے اور وہ شیدی کے ساتھ شادی کرے گا۔ خالہ نے اسے کہا کہ اس کی منگنی کون توڑے گا؟ ان لوگوں کو جواب ملا تو وہ پکے دشمن بن جائیں گے۔

مظہر پر جذبات کا جادو سوار تھا۔ شیدی کی حالت اس سے بھی بری تھ خالہ ان کی ملاقاتیں کراتی اور ان پر پردہ ڈالتی رہی۔ خالہ نے مظہر کے ساتھ اپنے پیار کا ثبوت

اس طرح دیا کہ اسے روکنے کی بجائے اسے کھلی چھٹی دیے رکھی اور مظہر شیدی کو گھر سے نکال لے گیا۔ خالہ کو معلوم نہیں تھا کہ نوکر اور کتا کس طرح ان کے ساتھ چلے گئے۔

"کیا اس نوکر کو شیدی اور مظہر کے متعلق علم نہیں تھا؟"...... میں نے پوچھا۔

"نہیں"...... خالہ نے جواب دیا...... "اسے پتہ چل جاتا تو وہ شیدی کے ماں باپ کو بتا دیتا۔ وہ بڑا پکا لڑکا ہے۔ ہے تو بدھو لیکن اس سے کوئی غلط کام نہیں کرایا جا سکتا۔ اتنا غریب لڑکا ہے لیکن لالچ میں نہیں آتا"۔

مظہر خالہ سے کہنے آیا تھا کہ شیدی اس کے پاس ہے اور اس نے اپنے ماں باپ کو بتا دیا ہے۔ شیدی کو اس نے اپنے ایک نوکر کے مکان میں رکھا تھا۔ وہ بہت چھوٹا سا مکان تھا۔ مظہر کے ماں باپ اس کی اس حرکت سے پریشان ہو گئے تھے۔ مظہر نے شیدی کے خاندان کو دشمن بنا لیا تھا۔ ان کے لیے دوسری مشکل یہ پیدا ہو گئی تھی کہ مظہر کی منگنی ہو گئی تھی۔ خالہ نے اسے بتایا کہ اس معاملے میں وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ شیدی کے خاندان کے ساتھ اب اس کی بھی دشمنی پیدا ہو گئی تھی۔

مظہر چلا گیا اور چار پانچ روز بعد گھبراہٹ اور پریشانی کی حالت میں خالہ کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ شیدی لاپتہ ہو گئی ہے۔ خالہ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ جس مکان میں شیدی کو رکھا ہوا تھا وہ گاؤں کے باہر کی طرف تھا۔ شیدی پر پہرہ بٹھانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ تو اپنی مرضی اور خوشی سے گئی تھی۔ نوکر رات کو دوسرے کمرے میں سوتا تھا۔ اس رات بھی نوکر دوسرے کمرے میں سویا ہوا تھا۔ اسے صبح پتہ چلا کہ شیدی غائب ہے۔

مظہر شیدی کے باپ اور بھائی سے ملا۔ اس پر تو کسی کو شک ہی نہیں تھا۔ وہ ان سے پوچھ نہیں سکتا تھا کہ شیدی کہاں ہے۔ خالہ نے شیدی کے گھر جا کر دیکھا اسے وہ گھر میں نظر نہ آئی۔

''نوکر اور کتے کے متعلق اس نے نہیں بتایا کہ کہاں ہیں؟'' ...... میں نے پوچھا۔

''نہیں'' ...... خالہ نے جواب دیا ...... ''نوکر کی طرف تو میرا خیال ہی نہیں گیا''۔

اصل اور پورا بیان تو مجھے مظہر سے لینا تھا۔ میں باہر نکلا اور نمبردار سے کہا کہ مظہر آیا ہوا ہے۔ اسے میرے پاس لے آؤ۔ میں پھر اس کی خالہ کے پاس جا بیٹھا اور اس سے اس کے بیان کو ذہن میں رکھ کر کئی اور سوال کیے۔ اس نے کچھ اور باتیں بھی بتائیں لیکن شیدی کے متعلق وہ یہی کہتی رہی کہ اسے معلوم نہیں اور یہ بھی کہ مظہر شیدی کو قتل نہیں کر سکتا۔ خالہ نے پھر میری منت سماجت شروع کر دی کہ میں مظہر کو نہ پکڑوں۔

''اگر مظہر نے قتل نہیں کیا تو میں اسے نہیں پکڑوں گا'' ...... میں نے کہا ...... ''اگر اسے اپنی زبان سے کہہ دیا کہ شیدی اس کے ساتھ گھر سے نکلی تھی تو میں بھی اس گرفتار نہیں کروں گا''۔

اسے یہ کہہ کر بھیج دیا کہ وہ کسی کو نہ بتائے کہ اس نے مجھے کیا بیان دیا ہے۔ اس کے جانے کے بعد نمبردار نے مجھے بتایا کہ مظہر نماز جنازہ پڑھ کر وہیں سے اپنے گاؤں کو واپس چلا گیا ہے۔ دن کا پچھلا پہر گزرنے کو تھا۔ میں نے نمبردار سے کہا کہ میرے لیے اور میرے عملے کے لیے جو میرے ساتھ تھا گھوڑے ٹٹوؤں کا بندوبست کرے۔ اس نے اس کی بجائے یکے کا بندوبست کر دیا وہ گاؤں میں موجود تھا۔

میں فوراً مظہر کے گاؤں روانہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

رکے ہوئے آنسو نکل آئے

گاؤں میں داخل ہوئے تو سورج غروب ہو گیا۔ میں مظہر کا گھر پوچھ کر سیدھا ان کے دروازے پر جا رکا۔ اندر سے مظہر اپنے باپ کے ساتھ باہر نکلا۔ ان کا چوبارہ بتا رہا تھا کہ یہ امیر زمیندار ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنی بیٹھک میں بٹھایا۔ مظہر سے پہلے مل چکا تھا۔ اس کا باپ بھی بیٹھ گیا۔ میں نے اسے کہا کہ وہ باہر چلا جائے۔ وہ التجا کرنے لگا کہ اسے اپنے بیٹے کے ساتھ رہنے دیا جائے۔

''دیکھیں بزرگوار!'' ...... میں نے کہا ...... ''میں نے آپ کی عزت کا بہت خیال رکھا ہے اور یہاں آ گیا ہوں۔ ورنہ دو کانسٹیبل بھیج کر آپ کے بیٹے کو ہتھکڑیاں لگا کر تھانے بلوا لیتا' آپ باہر چلے جائیں''۔

وہ سر جھکا کر آہستہ آہستہ چلتا باہر نکل گیا۔ میں نے مظہر سے پوچھا کہ اس نے جھوٹ کیوں بولا تھا کہ شیدی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں؟ اس نے اب بھی جھوٹ بولا۔

''دیکھو لڑکے!'' ...... میں نے کہا ...... ''میں پہلے یہاں آیا تھا تو تمہیں بلایا تھا۔ تم نے شاید سوچا نہیں کہ میں نے اتنے

بڑے گاؤں میں صرف تم پر کیوں شک کیا ہے؟ مجھے کوئی اشارہ ملا تھا تو تمہیں بلایا تھا اب پکی شہادت اور نشاندہی پر آیا ہوں اور تم ابھی تک جھوٹ بول رہے ہو...... مجھے اس مکان میں لے چلو جہاں تم نے شیدی کو رکھا تھا اور جہاں سے تم کہتے ہو کہ وہ لاپتہ ہوگئی تھی"۔

"آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میں نے شیدی کو یہاں کہیں رکھا تھا"؟

"تم میرے سوالوں کا جواب دو"...... میں نے کہا...... "مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں تم مجھے پریشان کرو گے تو میں سب سے پہلے تمہارے گھر کی تلاشی لوں گا۔ سارا گاؤں تماشہ دیکھے گا۔ ہم ہر ایک ٹرنک کھول کر اور خالی کر کے دیکھیں گے...... اپنی عزت بچاؤ اور جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔ مجھے اس مکان میں لے چلو جہاں تم نے شیدی کو رکھا تھا"۔

وہ نوجوان تھا اور اسے اپنی امیری کا بھی گھمنڈ تھا۔ وہ میری بات پر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اس کے باپ کو بلا لیا۔

"محترم صوبیدار صاحب!"...... میں نے اسے کہا...... "میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ سارے گاؤں کو آپ کا تماشہ نہ دکھاؤں۔ اپنی عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اپنے شہزادے سے کہیں کہ مجھے چکر دینے کی بے وقوفی نہ کرے"۔

"آپ اس سے کیا پوچھ رہے ہیں؟"...... باپ نے پوچھا۔

"میں اسے کہہ رہا ہوں کہ اس نے راج نگر کی شیدی نام کی لڑکی کو جس مکان میں رکھا تھا۔ مجھے وہاں لے چلے لیکن یہ مجھے بے وقوف سمجھ رہا ہے۔ اسے کچھ سمجھائیں ورنہ اس گھر کی تلاشی ہوگی۔ لڑکی کا زیور اور رقم یہاں ہے۔ میں وہ برآمد کروں گا پھر میں آپ کے بیٹے کو ہتھکڑیاں لگا کر تھانے لے جاؤں گا اس نے ایک لڑکی کو قتل کیا ہے"۔

عزت دار باپ کا جو حال ہوا وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ وہ پلنگ پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے گر پڑا ہو۔ اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ وہ آنسوؤں کو روک رہا تھا۔ مجھے مظہر کی خالہ بتا چکی تھی کہ اس شخص کو اپنے بیٹے کی اس حرکت نے بہت پریشان کیا تھا اور وہ اس کی منگنی نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ یہ وجہ تھی کہ میں اس شخص کی عزت قائم رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے پہلے تو رعب دیا تھا پھر اسے تسلی دی اور اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"اس لڑکے نے مجھے ذلیل کر دیا ہے"...... اس نے کہا...... "اگر لڑکی قتل نہ ہوتی تو اتنا طوفان نہ بنتا تو بھی یہ میرے لیے ذلت تھی کہ یہ ایک معزز خاندان کی لڑکی کو نکال لایا ہے۔ لڑکی یا شاید ان دونوں نے میری اور زیادہ بے عزتی اس طرح کی کہ لڑکی اپنے ساتھ زیور اور پیسے بھی لے آئی۔ میں نے دونوں چیزوں کو اپنے قبضے میں رکھی ہوئی ہیں۔ وہ میں آپ کے حوالے کر دیتا ہوں"...... وہ اٹھا۔

"مال برآمد کرنے کے لیے پولیس کا خاص طریقہ اور ضابطہ ہے"...... میں نے کہا...... "گاؤں کے دو گواہوں کے سامنے آپ اور آپ کا بیٹا کہیں گے کہ مال ہم نے یہاں رکھا ہوا ہے۔ پھر آپ وہ اشیاء وہاں سے اٹھا کر میرے حوالے کریں گے۔ آپ کے بیان لکھے جائیں گے۔ ان پر گواہ دستخط کریں گے"۔

وہ ریٹائرڈ صوبیدار اور کافی بڑا زمیندار تھا۔ انگریزوں کے وقتوں کے صوبیدار نوابوں اور مہاراجوں جیسی حیثیت رکھتے تھے۔ میں برآمدگی کے اصل طریقے کو نظر انداز بھی کر سکتا تھا لیکن میں ان لوگوں کو اپنے پاؤں کے نیچے بیٹھنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا تاکہ یہ مجھے لڑکی کے قتل کا راز بھی دے دیں۔

بڑا اچھا اثر ہوا۔ باپ نے جو آنسو روکے ہوئے تھے وہ نکل آئے۔ بیٹے نے باپ کے آنسو دیکھے تو وہ بول پڑا۔ مجھے خیال آیا کہ ماں باپ اپنے بچوں کو پیار اور شفقت سے پالتے ہیں اور اپنا آپ ان پر قربان کر دیتے ہیں لیکن بچے بڑے ہو کر ماں باپ کو ذلت اور رسوائی میں پھینک دیتے ہیں۔

''آپ سرکاری طریقہ ابھی رہنے دیں'' ...... مظہر نے کہا ...... ''میں آپ کو سارا واقعہ سنا دیتا ہوں لیکن ایک بات میں پہلے ہی کہہ دیتا ہوں۔ لڑکی کو میں نے قتل نہیں کیا۔ میں آپ کو اس مکان میں لے چلتا ہوں جہاں میں نے لڑکی کو رکھا تھا''۔

میں نے اس کے باپ کو باہر بھیج دیا۔ مظہر نے وہی بیان دیا جو اس کی خالہ دے چکی تھی۔ اس نے شیدی کے ساتھ ملاقاتیں اسی طرح سنائیں جس طرح اس کی خال نے سنائی تھیں۔ نوکری کی ماں کو انہوں نے کس طرح استعمال کیا۔ وہ بھی ویسے ہی سنایا جس طرح یہ عورت خود مجھے بتا چکی تھی۔ اس نے دو چار ایسی باتیں بھی سنائیں جو اس کی خالہ کو معلوم نہیں تھیں۔

اس نے خالہ کو بتائے بغیر لرکی کو گھر سے نکالا تھا۔ اب اس نے وہ واقعہ سنایا جو کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ وہ جب لرکی کو ساتھ لے جانے کے لیے آیا تو گاؤں سے باہر ایک گہ رکا جو انہوں نے مقرر کی تھی۔ وہ اپنی گھوڑی پر آیا تھا لڑکی اپنے وسیع مکان کے پچھلے راستے سے نکلی اور اس تک پہنچ گئی۔ شیدی کے گھر رکھوالی کا بڑا خونخوار کتا تھا جسے رات کو کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ کوئی چور ڈاکو اس گھر کے قریب نہیں آ سکتا تھا۔ جب شیدی باہر نکلی تو کتا اس کے پیچھے چل پڑا۔ یہ کتے کی فطرت ہے کہ اپنے مالکوں سے پیار کرتا ہے۔ شیدی نے مظہر کو بتایا تھا کہ اس نے کتے کو ہٹانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ ہٹا۔ شیدی اونچی آواز سے اسے نہیں دھتکار سکتی تھی۔

☆☆☆

منگنی ٹوٹ گئی

کتا آخر واپس چلا گیا۔ مظہر نے شیدی کو گھوڑی پر اپنے آگے بٹھا لیا۔ اس نے گھوڑی کو دوڑایا نہیں تا کہ آواز گاؤں تک نہ پہنچے۔ وہ گاؤں سے کم و بیش ایک میل دور کھڈوں کے علاقے میں پہنچ گئے تو انہیں کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ رات اندھیری تھی۔ کسی نے کتے کو للکارا۔ کتے سے پہلے ایک سایہ سا جو کوئی آدمی لگتا تھا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں شاید لاٹھی تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ آدمی ان کے تعاقب میں آیا ہے اور اس نے کتے کو اس لیے للکارا ہے کہ وہ انہیں پکڑ لے۔

مظہر بڑا جوشیلا اور دلیر جوان تھا وہ گھوڑی سے اترا۔ شیدی بھی اتر آئی۔ مظہر پیچھے گیا۔ اس آدمی نے مظہر کو للکار کر پوچھا کہ وہ کون ہے۔ مظہر کے پاس بید کا موٹا ڈنڈا تھا جس کے آگے تانبے کا خول چڑھا ہوا تھا۔ اس اجنبی نے لاٹھی اوپر کی مگر مظہر زیادہ تیز تھا۔ اس نے اس کو ڈنڈا مارا جو اس کے کندھے پر پڑا۔ وہ آدمی سنبھل نہ سکا۔ مظہر نے اسے دو اور ڈنڈے مارے جو اس کی پیٹھ پر پڑے اور آخری ڈنڈا اس آدمی کے سر پر پڑا اور وہ گر پڑا۔

مظہر یہ دیکھنے کے لیے نہ رکا کہ وہ کون تھا۔ وہ گھوڑی پر سوار ہوا۔ شیدی کو آگے بٹھایا اور گھوڑی کو ایڑ لگا دی۔ ایک میل کے لگ بھگ اور گئے تو پتا چلا کہ کتا ان کے پیچھے آ رہا ہے۔ مظہر سمجھا کہ وہ آدمی پھر آ گیا ہے۔ وہ رکا۔ کتا بھی

ان کے پاس آ کر رک گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ کتے کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ تب انہوں نے دیکھا کہ یہ شیدی کا کتا ہے۔ اسے واپس بھیجتا تھا۔ اسے مارتے تھے تو وہ گھوم کر پھر ان کے پاس آ جاتا تھا۔

کچھ اور دور جا کر مظہر نے راستہ بدل لیا اور ذرا آگے جا کر اس نے گھوڑے سے اتر کر کتے کو ڈنڈا مارا پھر اسے پتھر مار مار کر بھگایا۔ کتا شیدی کے پیچھے جا رہا تھا۔ اس کے بعد کتا ان کے پیچھے نہ آیا۔ شیدی پریشان تھے کہ کتے کے ساتھ کون تھا کہ جسے مظہر نے بے حال کر کے پھینک آیا تھا۔ اگر وہ شیدی کا بھائی ہوتا تو اس طرح مار نہ کھاتا۔ مظہر کو پکا شک یہ تھا کہ وہ نوکر تھا۔ اس نے شاید شیدی کو گھر سے نکلتے دیکھ لیا ہوگا اور اپنی دیانت اور وفاداری سے مجبور ہو کر شیدی کے پیچھے چلا آیا ہوگا۔

مجھے شک ہوا کہ اگر وہ نوکر تھا تو اب وہ مکر نہیں کر رہا تھا۔ اس کے سر پر بڑی زور سے ڈنڈا لگا تھا اس سے اس کی یادداشت ختم ہو گئی تھی۔ وہ اب تھانے میں تھا اسے ڈاکٹر کے پاس بھیجتا تھا۔

مظہر شیدی کے ساتھ اپنے گاؤں پہنچ گیا اور شیدی کو ایک نوکر کے مکان میں لے گیا۔ یہ جھگی نما مکان تھا۔ اسے مظہر نے اچھی طرح صاف کرا دیا تھا۔ بڑا اچھا پلنگ رکھوا دیا تھا۔ اسے ایسا ڈر تو نہیں تھا کہ شیدی بھاگ جائے گی اس کے لیے پہرے کا کوئی انتظام نہ کیا۔ صرف ایک نوکر وہاں رہنے دیا جس کا کام شیدی کی خدمت کرنا تھا۔

اس نے صبح اپنے ماں باپ کو بتایا کہ وہ بلاں کی بیٹی کو لے آیا ہے اور اسکے ساتھ شادی کرے گا۔ ماں باپ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ مظہر نے انہیں کہا کہ اس کی منگنی توڑ دی جائے۔ ماں باپ نے اسے سمجھایا کہ منگنی توڑنے کا کیا نتیجہ ہو گا اور یہ بھی بتایا کہ شیدی کے خاندان کے ساتھ جو دشمنی پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے نتیجے میں خون خرابے ہوں گے۔

مظہر نے انہیں کہا کہ وہ شیدی کے خاندان کے ساتھ دشمنی نہیں رہنے دے گا۔ وہ شیدی کے بھائی اور اس کے باپ کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگے گا اور انہیں کہے گا کہ شیدی میرے پاس ہے اس کی شادی میرے ساتھ کر دو۔

''کیا تمہیں یقین تھا کہ وہ تمہیں بخش دیں گے؟''...... میں نے پوچھا۔

''نہ بخشتے''......اس نے جواب دیا......''میں انہیں کہتا کہ تم لوگوں کو اپنی عزت کا خیال نہیں تو نہ سہی۔ تمہاری بیٹی خود میرے ساتھ شادی کر رہی ہے''۔

اس کا یہ خیال احمقانہ تھا یا جیسا بھی تھا مجھے اس سے غرض نہیں تھی۔ میرا مقصد تفتیش تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کی ماں اور باپ شیدی سے ملے اور اسے کہا کہ وہ واپس چلی جائے ورنہ دونوں خاندانوں میں ایسی دشمنی پیدا ہو جائے گی کہ مظہر قتل ہو جائے گا۔ شیدی نے انہیں کہا کہ دشمنی تو شروع ہو ہی گئی ہے۔ اب اگر وہ واپس چلی جائے گی تو اس کے گھر والے کبھی نہیں مانیں گے کہ وہ پاک صاف واپس آئی ہے۔ وہ ٹھیک کہتی تھی صرف کسی کے ساتھ گھر سے نکل جانا ہی بہت بڑا جرم تھا۔

مظہر بالکل محسوس نہیں کر رہا تھا کہ اس نے بڑی خطرناک حرکت کی ہے۔ اس پر جذبات کا بھوت سوار تھا۔ اسے ماں باپ نے کہہ دیا کہ وہ اس کی منگنی نہیں توڑیں گے۔ مظہر نے گاؤں کے میراثی سے کہا کہ وہ اس کی منگیتر کے بھائیوں سے کہہ دے کہ وہ ان کی بہن کے ساتھ شادی نہیں کرے گا۔ منگیتر کے بھائیوں نے اسے جواب دیا کہ دیکھا جائے گا۔ مظہر نے انہیں ناراض کرنے کے لیے دھمکی کا جواب دھمکی سے بھیجا اور یہ بھی کہہ دیا کہ میں نے جس کے ساتھ

شادی کرنی ہے اسے میں لے آیا ہوں۔

گاؤں میں ابھی کسی کو علوم نہیں تھا کہ مظہر کسی لڑکی کو کہیں سے نکال لایا ہے۔ یہ اس کی منگیتر کے بھائیوں کی جاسوی ہوگی کہ انہیں پتہ چل گیا کہ اس نے اپنے نوکر کے گھر کسی لڑکی کو رکھا ہوا ہے۔ مجھے اب یاد نہیں رہا کہ تین دنوں یا چار دنوں بعد لڑکی لاپتہ ہوگئی۔ پہلی بار مجھے خیال آیا کہ لڑکی کو اس کا باپ بھی غائب کر سکتا ہے۔ میں نے یہ شک مظہر کو نہ بتایا۔ اس کی باتوں کے پتہ چلتا تھا کہ اسے اپنے باپ پر شک نہیں ہے۔ وہ منگیتر کے بھائیوں پر شک کرتا تھا۔

مظہر نے نوکر کو مار اپیٹا۔ وہ ساتھ والے کمرے میں سویا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ باہر والا دروازہ بند تھا۔ صبح دیکھا تو کھلا ہوا تھا۔

میں نے مظہر سے پوچھا کہ وہ خود وہاں کیوں نہیں سوتا تھا؟

''میں لڑکی کو شادی سے پہلے پاک رکھنا چاہتا تھا'' اُسنے جواب دیا...... ''جوان لڑکی اور لڑکے کا رات کو ایک کمرے میں سونا مناسب نہیں''۔

لڑکی لاپتہ ہوئی تو اگلے روز مظہر کی منگیتر کی ماں مظہر کی ماں کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ شادی کا دن مقرر کرو۔ مظہر کے ماں باپ نے اسے ٹال دیا۔ مظہر نے مجھے بتایا کہ اس سے اگلے روز اسی میراثی کی زبانی اس کی منگیتر کے بھائیوں نے پیغام بھیجا...... ''اب کسی اور کو لے آؤ''۔

مظہر نے اپنے باپ کو بتایا کہ لڑکی ان بھائیوں نے غائب کی ہے اور وہ ان سے انتقام لے گا۔ ماں اس کے پاؤں میں گر پڑی اور رو رو کر کہا کہ وہ ان کا ایک ہی بیٹا ہے۔ ان کے بڑھاپے پر رحم کرے۔ باپ نے اپنی طرے والی پگڑی اس کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ جاؤ اپنے ہاتھوں سے باہر گوبر کے ڈھیر پر پھینک آؤ۔ باپ نے اسے یہ بھی کہا کہ تم اتنی زیادہ زمین جائیداد کے اکیلے مالک ہو۔ عیش موج کرنے کے لیے زندہ رہو دشمن نہیں دوست بناؤ۔

ماں باپ نے اسے ایسا گھیرا کہ وہ مجبور ہوگیا اور اس نے انتقام کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس سے اگلے روز اسکی منگیتر کے گھر سے کپڑوں کا وہ جوڑا انگوٹھی اور پیسے جو انہوں نے منگنی کی رسم پر دیے تھے واپس آگئے۔ ساتھ یہ پیغام تھا کہ انہوں نے لڑکے کو جو کپڑے انگوٹھی اور پیسے دیے تھے وہ واپس کر دو۔

مظہر کا بیان بہت لمبا تھا۔ میں نے جرح کی تھی۔ بہت سے سوالوں کے ذریعے اپنے شکوک رفع کیے تھے۔ میں نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ رات بہت گزر گئی تھی۔ مظہر کا باپ میرے کہنے کے بغیر ایک پوٹلی لے آیا اور میرے حوالے کر دی۔ میں نے کھول کر دیکھا اس میں زیورات تھے اور دس دس اور پانچ پانچ روپے کے نوٹ تھے۔

''میں آپ کی منت کرتا ہوں کہ یہ اپنے پاس رکھ لیں''...... اس نے کہا اور اس کے آنسو نکل آئے کہنے لگا...... ''لڑکی یہ زیور اور پیسا اپنے ساتھ لائی تھی''۔

☆☆☆

نوکر کے کچے مکان میں

میں نے گاؤں کے نمبردار کو بلایا اور اسے کہا کہ میں باقی تفتیش اس کے گھر میں کروں گا۔ می اس کے گھر چلا گیا۔ مظہر اور اسکے باپ کو ساتھ لے گیا۔ انہیں باہر بٹھایا اور نمبردار کو اندر بٹھا کر مظہر کی منگیتر کے بھائیوں کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ خوشحال زمیندار ہیں اور دل گردے والے ہیں۔

''خوجے کو جانتے ہو'' ...... میں نے پوچھا۔

''اسے کون نہیں جانتا جی!'' ...... اس نے کہا ...... ''استاد ہے۔ ہاتھ مارتا ہے اور ادھر ادھر کھلا پلا کر صاف بچا رہتا ہے''۔

''ان دو بھائیوں کے ساتھ خوجے کا میل جول ہے؟''

''خوجے کا میل جول تو ہر کسی کے ساتھ ہے جی''۔ ...... نمبردار نے کہا ...... ''کبھی کبھی ان بھائیوں کے گھر بھی آتا ہے''۔

''آخری بار اسے یہاں کب دیکھا تھا؟'' ...... میں نے پوچھا۔

اس نے یاد کرنے کے لیے چھت کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔

''واردات کیا ہے؟'' ...... اس نے مجھ سے پوچھا ...... ''یہ وہ واردات تو نہیں جس میں حسن پور (خوجے کا گاؤں) کے قریب ایک لڑکی کی لاش ملی ہے؟''

''وہی!'' ...... میں نے جواب دیا۔

''جناب!'' ...... اس نے ایک آنکھ بند کر کے کہا ...... ''لڑکی ہمارے گاؤں سے گئی تھی نا؟ ...... یہ واردات خوجے کی ہے۔ کروائی ان بھائیوں نے ہے۔ لڑکی صوبیدار کا بیٹا لایا تھا''۔

''میں کل پرسوں یہاں آیا تھا'' ...... میں نے کہا ...... ''تم نے اس وقت کچھ نہیں بتایا''۔

''آپ نے مجھ سے پوچھا ہی کب تھا'' ...... اس نے کہا ...... ''آپ دوسرے تھانے کے تھانیدار ہیں۔ میں سمجھا کوئی آپ کے تھانے کی واردات ہے۔ مجھے تو

آپ کے جانے کے بعد پتہ چلا تھا کہ واردات کیا ہے۔اب آپ نے خوجے اور ان دو بھائیوں کا ذکر کیا ہے تو مجھے یاد آ گیا ہے۔گاؤں میں کسی کا بھید چھپا نہیں رہتا۔ہم نے دیکھا کہ صوبیدار اور اس کی بیوی اپنے نوکر کے کچے کوٹھے میں گئے اور تھوڑا وقت لگا کر نکلے۔پھر ان کا بیٹا وہاں گیا۔وہ دو گھنٹے لگا کر نکلا۔شام کے بعد وہ پھر نوکر کے گھر گیا اور بہت وقت بعد باہر آیا......

اگلے روز صوبیدار اکیلا نوکر کے کوٹھے میں گیا اور تھوڑی دیر بعد نکلا۔پھر مظہر گیا اور بہت دیر بعد نکلا۔یہ سلسلہ تین چار روز لگا رہا۔کسی میں اتنی جرات نہیں کہ وہ صوبیدار سے پوچھتا کہ وہ نوکر کے گھر کیوں آتے ہیں؟ سوچنے والی بات تو یہ تھی کہ نوکر وہاں اکیلا رہتا ہے۔نوکر میرے آگے کیسے جھوٹ بولتا؟ اس نے بتایا کہ صوبیدار کا لڑکا کہیں سے ایک لڑکی لایا ہے جسے اس کے گھر میں رکھا ہوا ہے۔میں حیران کہ یہ کیسی لڑکی ہے جسے باپ بیٹے نے سانجھا رکھ لیا ہے......اب آپ نے خوجے کی بات پوچھی ہے تو یاد آیا کہ ایک روز کوجے کو صوبیدار کے نوکر کے مکان سے تھوڑی دور کھیتوں میں کھڑے دیکھا گیا تھا۔وہ دونوں اس کوٹھے کے قریب سے گزرے تھے"۔

میرے پوچھنے پر اس نے بتایا جس دن انہیں دیکھا تھا۔مظہر نے مجھے شیدی کی گمشدگی کی رات بتائی تھی۔میں نے حساب لگایا۔یہ وہی دن تھا جس رات لڑکی لاپتہ ہوئی تھی۔میں نے نمبردار کے ساتھ دو کانسٹیبل بھیجے کہ وہ ان دونوں بھائیوں کو جگا کر لے آئیں۔

ان کے جانے کے بعد میں نے مظہر اور اس کے باپ کو ساتھ لیا اور انہیں کہا کہ وہ مجھے اپنے نوکر کے گھر لے چلیں۔میرے پاس دو ٹارچیں تھیں۔نمبردار کے گھر سے لالٹین بھی لے لی۔باہر پیشہ ور خوشامدی کھڑے تھے۔حالانکہ آدھی رات ہونے کو آئی تھی۔ان میں دو آدمی دوڑے گئے اور اپنے گھروں سے لالٹین اٹھا لائے

اور میرے آگے آگے چل پڑے۔

نوکر اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ اسے جگا کر میں نے دونوں کمرے دیکھے۔ صحن بہت چھوٹا تھا۔ صحن کی دیوار کچی اور سات فٹ اونچی تھی۔ اس پر لپائی کی ہوئی تھی۔ میں نے لالٹینوں اور ٹارچوں کی روشنی میں دیوار کو دیکھنا شروع کیا۔ ایک جگہ ایسی رگڑ تھی جیسے کسی کا پاؤں لگا ہو۔ باہر جا کر دیوار کو وہاں سے دیکھا۔ پاؤں کی رگڑ بڑی صاف نظر آئی یہاں سے ایک آدمی اوپر گیا۔ دیوار پھاندی اور اندر سے دروازہ اسی نے کھولا ہوگا۔ میں نے دیوار کے ساتھ اندر اور باہر ٹارچ کی روشنی میں زمین دیکھی کوئی کھرا نظر نہ آیا۔ چند دن گزر گئے تھے کھرے مٹ گئے تھے۔

میں نے نوکر سے پوچھ گچھ کی۔ اس نے اتنا ہی بتایا کہ وہ کہاں تھا۔ میں اس سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس نے لڑکی کے اغوا والوں کی مدد کی ہوگی۔ لیکن وہ مان نہیں رہا تھا۔

دونوں بھائی آگئے۔ میں نے ان کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ میری حالت یہ ہو گئی کہ ہڈیاں دکھ رہی تھیں لیکن میں ابھی آرام نہیں کر سکتا تھا۔ مظہر اس کے باپ اس کے نوکر اور دونوں بھائیوں کو میں نے ساتھ لیا اور تھانے کو روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

گرگابی اور گرگ

ہم جب تھانے پہنچے تو صبح طلوع ہونے والی تھی۔ میں نے ان سب کو اپنے عملے کے حوالے کیا اور کہا کہ ان سب کو اس طرح الگ الگ رکھو کہ ایک دوسرے کے ساتھ بات نہ کر سکیں۔ میں گھر چلا گیا اور وردی سمیت چارپائی پر گر پڑا فوراً ہی آنکھ لگ گئی۔

آنکھ کھلی۔ بیوی نے جو کچھ سامنے رکھا وہ بڑی جلدی جلدی کھا کر میں تھانے گیا۔ سب سے پہلے شیدی کے نوکر کو بلایا۔ کتا اس کے ساتھ تھا۔ میں نے اس کا نام

پوچھا جو وہ نہ بتا سکا۔ اس کے سر کو بال ہٹا کر دیکھا۔ ایک جگہ ابھار تھا اور جلد ذرا سی پھٹی ہوئی تھی۔ ابھار نہایت معمولی تھا۔ یہاں اسے مظہر کا ڈنڈا لگا تھا۔ قمیص اٹھوا کر اس کی پیٹھ دیکھی جہاں ڈنڈے لگے تھے وہاں بڑے صاف نشان تھے۔ اسے میں نے ہسپتال سول سرجن کے پاس اے ایس آئی کے ساتھ بھیج دیا۔ اے ایس آئی کو معلوم تھا کہ اس کا معائنہ کرانا اور رپورٹ لینی ہے۔ یہ نوکر میرا بڑا ہی کارآمد گواہ تھا لیکن بیکار ہو گیا تھا۔

خوجے کے گاؤں کے نمبردار کو میں نے گاؤں میں بہت گالیاں دی تھیں اور اسے دھمکی بھی دی تھی کہ میں اسکی نمبرداری منسوخ کرا دوں گا۔ اسے اب تھانے میں بیٹھے تیسرا دن تھا۔ میں شیدی کے گاؤں پھر مظہر کے گاؤں چلا گیا تھا۔ نمبردار اور خوجے کے ساتھ میں نے ان دو بھائیوں کو بھی تھانے بھجوا دیا تھا جو کتے کو پکڑ کر لائے تھے۔ یہ سب بہت پریشان تھے۔

میں شیدی کے نوکر سے فارغ ہوا تو خوجے کے گاؤں کا نمبردار آ گیا۔ میں نے اسے پھر گالیاں دینی شروع کر دیں اور کہا کہ اس کی رپورٹ لکھ رہا ہوں کہ اس نے ایک سزا یافتہ اور پیشہ ور ڈکیت کو دوست بنا رکھا ہے اور اس پر پردہ ڈالا ہے۔

''حضور!''...... نمبردار نے ہاتھ جوڑ کر کہا...... ''نہ لکھیں۔ میری غلطی معاف کر دیں۔ ایک بات بتانے آیا ہوں...... اس شام خوجے کے پاؤں میں گرگابی تھی''۔

''اور تم نے گاؤں میں سب کو اشارے سے بتا دیا تھا کہ مجھے کوئی نہ بتائے کہ خوجے نے گرگابی پہن رکھی تھی''...... میں نے یہ کہہ کر پھر گالیاں دینی شروع کر دیں۔

وہ رونے پر آ گیا اور بولا...... ''میرا قصور معاف کریں۔ ایک اور بات بتاتا ہوں...... آپ جب کھرے دیکھ رہے تھے اس وقت خوجے کو اپنے کھرے کا خیال آیا اس نے گرگابی کہیں چھپا دی تھی''۔

میری بک بک اور گالیوں سے مجھے یہ حاصل ہوا کہ خوجے کے خلاف شہادت مل گئی۔ میں نے خوجے کو بلایا۔

''خوجے!''...... میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا...... ''گرگابی کہاں چھپائی ہے؟''

وہ گھاگھ استاد تھا۔ فوراً انجان بن گیا اور ایسی ایکٹنگ شروع کر دی جیسے میں کسی غلط آدمی سے بات کر رہا ہوں۔

''خوجے!''...... میں نے بڑے آرام سے کہا...... ''میں اپنا سوال دہرایا نہیں کرتا...... تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارے دونوں دوستوں کو پکڑ لایا ہوں۔ وہ تمہاری طرح پیشہ ور نہیں ہیں کہ پولیس کی چوٹ برداشت کر سکیں۔ ایک ہی دبکار میں بک پڑے۔ دیکھ خوجے تیرے علاقے کے تھانیدار نے کہا ہے کہ تیرا خیال رکھوں۔ اگر تو اپنا خیال خود نہیں رکھے گا تو میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ تیرا تعلق ہمارے ساتھ ہے۔ اگر تعلق نبھانا ہے تو بول ورنہ تیرے اقبالی بیان کی ضرورت ہی نہیں...... میں سوچنے کی زیادہ مہلت نہیں دوں گا۔ میرے تھانے کی مار سہہ جاؤ گے تو کہوں گا کہ واقعی استاد ہو''۔

''اگر میرے اقبالی بیان کی ضرورت نہیں تو مقدمہ بنا لو''...... اس نے کہا۔

میں اٹھا اور باتیں کرتے کرتے اس کے پیچھے چلا گیا۔ مجھے خدا نے بڑا اچھا جسم اور قد دیا ہے۔ وہ مجھ سے آدھے جسم کا تھا۔ میں نے اسے پیچھے سے کمر سے پکڑا اور تین چار فٹ اوپر اٹھا کر بڑی زور سے اس کے پاؤں فرش پر مارے جیسے اسے زمین میں ٹھونکنے کی کوشش کی ہو۔ اسے چھوڑ دیا۔ وہ پیٹھ کے بل لیٹ گیا۔ اس طرح ریڑھ کی ہڈی پر ایسی ضرب پڑتی ہے جو قوی ہیکل آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کمر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی پگڑی اتار کر اس کے بال مٹھی میں لیے اور اوپر کھینچے۔ وہ دانت پیس کر اٹھا۔ میں نے اسے آگے

جھٹکا دیا وہ منہ کے بل فرش پر گرا۔

''وعدہ معاف گواہ بناؤ گے؟''......اس نے درد سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''تو میں اور کیا کہہ رہا تھا؟''......میں نے کہا۔

میں نے اسے وعدہ معاف گواہ بنانے کا جھوٹا وعدہ دیا اور اس نے بیان دے دیا۔اس سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ اس نے میری مار پٹائی سے ڈر کر اقبال جرم کیا تھا۔یہ لوگ پتھر کے ہوتے ہیں۔تشدد اور اذیتیں سہنے کے عادی تھے۔ان کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جہاں دیکھا کہ اقبال جرم کرنا ہی پڑے گا تو فوراً مان جاتے تھے پھر عدالت میں پولیس کو خراب کرتے تھے۔

☆☆☆

یہ عجیب اغوا تھا

اس نے مختصراً بیان یہ تھا کہ مظہر کی منگیتر کے بڑے بھائی کے ساتھ اس کے تعلقات تھے۔بھائی نے اسے کہا کہ ایک لڑکی اٹھانی ہے۔خوجا اس کام کا ماہر تھا۔منگیتر کے بھائی نے اسے وہ مکان دکھایا جس میں مظہر نے شیدی کو رکھا ہوا تھا۔ایک رات خوجا آیا۔دونوں بھائیوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ خوجے نے دیوار پھلانگی اور اندر سے دروازہ کھول دیا۔دونوں بھائی اندر گئے۔شیدی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔خوجے نے اس کے منہ میں کپڑا اٹھونس دیا۔وہ جاگ کر تڑپنے لگی۔تینوں نے اسے اٹھالیا اور باہر لے گئے۔

یہ مکان گاؤں کے باہر تھا اس لے پکڑے جانے کا خطرہ نہیں تھا۔گاؤں سے تقریباً ایک میل دور تک وہ شیدی کو باری باری کندھے پر اٹھا کر لے گئے پھر اسے اتار دیا اور اس کے منہ سے کپڑا نکال دیا۔

''ہم سے ڈرو نہیں لڑکی''......منگیتر کے بڑے بھائی نے شیدی سے

کہا……"تمہیں ہم کوئی تکلیف نہیں دیں گے۔ تمہاری عزت محفوظ رہے گی۔ تمہیں ہم کہیں اور نہیں لے جا رہے۔ تمہیں تمہارے گاؤں تک پہنچا دیں گے۔ اپنے گھر چلی جانا۔ اگر اس گاؤں میں آؤ گی تو قتل ہو جاؤ گی"۔

شیدی نے انہیں کہا کہ وہ اپنے گھر گئی تو اس کا باپ اور بھائی اسے جان سے مار ڈالیں گے۔ وہ گھر نہیں جائے گی۔ دونوں بھائیوں نے اسے کہا کہ وہ اپنے گھر چلی جائے لیکن وہ نہیں مانتی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اسے یہیں چھوڑ دیا جائے اور وہ جدھر جانا چاہے چلی جائے گی۔ سب کو معلوم تھا کہ وہ واپس مظہر کے گھر جا پہنچے گی۔

خوجے کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ لڑکی بہت خوبصورت ہے اسے بیچا جائے تو بہت قیمت ملے گی۔ اس نے یہ ارادہ کر کے دونوں بھائیوں سے کہا کہ وہ اسے اپنے گھر لے جائے گا اور سمجھا بجھا کر گھر بھیج دے گا۔ اس نے ان بھائیوں سے کہا کہ وہ چلے جائیں لیکن بھائی لڑکی کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔ خوجے نے مجھے اپنے اقبال جرم میں بتایا کہ اسے اپنی نیت پوری کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

"لڑکی روتی تھی"……خوجے نے مجھے بتایا……"اس تو رونا ہی تھا۔ میں نے دیکھا کہ دونوں بھائی بہت پریشانی اور گھبراہٹ میں تھے۔ وہ لڑکی کو سمجھاتے تھے کہ مظہر کی منگنی ہو چکی ہے اور اس کی شادی ہونے والی ہے اور اگر تم وہاں رہیں تو ماری جاؤ گی۔ یہی مظہر تمہیں خراب کرتا رہے گا لیکن لڑکی نہیں مانتی تھی۔ بھائی ڈرنے لگے کہ لڑکی کو کہاں لے جائیں۔ لڑکی نے آخر یہ کہنا شروع کر دیا کہ مجھے قتل کر دو"۔

یہاں مجھے شک ہونے لگا کہ خوجہ جھوٹ بول رہا ہے۔ عجیب اغوا تھا یہ تو مجھے معلوم تھا کہ مظہر کی منگیتر کے بھائی انتقامی کارروائی کر رہے تھے۔ لیکن انہیں لڑکی کی عزت کا اتنا خیال کیوں تھا؟ اس قسم کی انتقامی کارروائیوں میں لڑکیوں کو خراب کیا جاتا ہے اور سارا غصہ بےبس عورتوں پر نکالا جاتا ہے۔

میں نے خوجے کو بولنے سے نہ روکا۔ سوچا کہ اسے بیان پورا کرنے دوں۔

انہوں نے آخر یہ فیصلہ کرلیا کہ ایک بھائی خوجے اورلڑکی کے ساتھ خوجے کے گاؤں چلا جائے گا۔لڑکی قید سے تنگ آ کر خود ہی کہہ دے گی کہ مجھے گھر چھوڑ آؤ۔خوجے کو ان دونوں بھائیوں نے پانچ سو روپیہ دینے کا سودا کیا تھا جو کام ہو جانے پر ادا کرنا تھا۔اس وقت کا پانچ سو روپیہ آج کے دس ہزار کے برابر تھا۔

''ان کا مطلب کچھ اور تھا میری نیت کچھ اور تھی''......خوجے نے مجھے بیان دیتے ہوئے کہا......''میں نے بڑے بھائی کو پرے لے جا کر کہا کہ تم لڑکی کو اپنے گاؤں سے غائب کرنا چاہتے تھے وہ ہوگئی ہے۔اب یہ جیئے مرے جدھر بھی جائے تمہیں کیا؟ اسے میرے حوالے کردو۔اورتم جاؤ۔میں تم سے ایک پیسہ نہیں لوں گا۔ لڑکی مجھے دے دو......

''بڑے بھائی نے کہا کہ ہماری دشمنی مظہر کے ساتھ ہے اس لڑکی کے ساتھ نہیں۔ہم نے ایک طرف منگنی توڑ دی ہے اور دوسری طرف اس لڑکی کو غائب کر دیا ہے جس کی خاطر وہ ہمیں ذلیل کرنا چاہتا تھا۔لڑکی کا کیا قصور ہے؟ یہ عزت والے باپ کی بیٹی ہے۔میں اسے امانت سمجھ کر عزت سے اس کے باپ کے پاس بھیجوں گا۔وہ اسے مارے پیٹے قتل کرے یہ اس کی مرضی ہے۔وہ بے چاری اکیلی ہم تینوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔میں اس کی عزت کی حفاظت کروں گا۔تمہیں ہم پانچ سو روپیہ نقد دیں گے''۔

خوجا چپ ہوگیا۔فیصلہ ہوا کہ چھوٹا بھائی خوجے اورلڑکی کے ساتھ جائے گا۔ لڑکی کو بڑے بھائی نے ایک بار پھر تسلی دی کہ اس کی عزت پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالے گا اور وہ ڈرے نہیں۔اس نے لڑکی سے یہ بھی کہا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی بہتری کے لیے ہو رہا ہے۔اور وہ اپنی بہتری سوچے اور اپنے گھر چلی جائے۔

چھوٹا بھائی خوجے اورلڑکی کے ساتھ چلا گیا۔بڑا بھائی واپس آ گیا۔خوجے کا گاؤں زیادہ دور نہیں تھا۔وہاں کوئی خطرہ بھی نہیں تھا۔چھوٹے سے اس گاؤں کی

ساری آبادی خوجے کے ساتھ تھی۔ نمبردار اس کا دوست تھا۔ لڑکی کو خوجے کے گھر لے گئے۔ بے شک گاؤں کے لوگ خوجے کے ساتھ تھے پھر بھی خوجے نے کسی کو پتہ نہ چلنے دیا کہ اس نے گھر میں ایک لڑکی چھپا دی ہے۔ چھوٹے بھائی کو خوجے نے کہا کہ وہ باہر نہ نکلے۔

☆☆☆

خوجا منحرف ہو گیا

چھوٹا بھائی انیس بیس سال کا جوان تھا۔ اتنی خوبصورت اور اس کی عمر کی لڑکی کے قبضے میں تھی لیکن اس نے لڑکی کو بری نظر سے نہ دیکھا۔ اسے یہی کہتا رہا کہ وہ اپنے گھر چلی جائے۔ یہ لڑکا خود اس کے ساتھ جانے کو کہہ رہا تھا لیکن لڑکی نہیں مانتی تھی۔

میرے پوچھنے پر خوجے نے مجھے بتایا کہ اس دوران شیدی کا نوکر اور کتا گاؤں میں آچکے تھے۔ خوجے کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس پاگل کا اور کتے کا شیدی کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔

شاید تین دن لڑکی خوجے کے گھر میں قید رہی۔ اتنے میں مجھے نوکر اور کتے کی اطلاع اس علاقے کے تھانے سے ملی اور میں شیدی کے باپ اور بھائی کو لے کر اس گاؤں میں آ گیا۔ وہیں رات ہو گئی۔ خوجے نے مجھے بتایا کہ وہ اس موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا کہ منگیتر کے چھوٹے بھائی کو ڈرائے کہ پولیس آ گئی ہے اور وہ پکڑا جائے گا۔ اس لیے وہ بھاگ جائے۔ خوجے کی سکیم یہ تھی کہ وہ اسے بھگا کر خود لڑکی کو یہ چکمہ دے گا کہ آؤ تمہیں مظہر کے پاس چھوڑ آؤں۔ پھر وہ اسے اپنے کسی اور ٹھکانے پر لے جائے گا۔

اسنے چھوٹے بھائی کو ڈرایا لیکن وہ نہ ڈرا۔ اس نے کہا کہ میں جاؤں گا تو میرے ساتھ لڑکی بھی جائے گی۔ خوجے کے پاس اب سوچنے کے لیے وقت نہ تھا۔ اس کی نظر مجھ پر تھی۔ اگر اس علاقے کا تھانیدار ہوتا تو وہ نہ ڈرتا۔ میں دوسرے علاقے کا

تھانیدار تھا۔ اس لیے وہ ڈرتا تھا۔ اس نے آخری بار چھوٹے بھائی کو اتنا ڈرایا کہ بھائی نے کہا کہ لڑکی کو یہاں سے نکالو۔ خود جا کر لڑکی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اس پر ان دونوں کا جھگڑا ہو گیا۔ چھوٹے بھائی نے کہا کہ میں لڑکی تمہارے حوالے نہیں کروں گا خواہ جان چلی جائے۔

''میں نے ارادہ کر لیا کہ اس لڑکے کو ختم کر دوں گا''...... خوجے نے مجھے سنایا...... ''سب سے پہلے تو گاؤں سے نکلنا ضروری تھا۔ ہم نے لڑکی سے کہا کہ آؤ تمہیں مظہر کے پاس لے چلیں وہ چل پڑی''۔

می جب اس گاؤں میں تھا تو اس وقت خوجا اور چھوٹا بھائی لڑکی کو نکال لے گئے اور گاؤں سے دور نکل گئے۔ جائے وقوعہ پر ان کا پھر جھگڑا ہوا۔ خوجہ ایک رسی لے گیا تھا۔ اس سے وہ اس لڑکے کو مارنا چاہتا تھا لیکن خوجے کا دماغ پھر گیا۔ اس نے رسی لڑکی کے گلے میں ڈال کر اسے مار ڈالا۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ چھوٹے بھائی نے نہ اسے روکا۔ وہ دیکھا رہا۔ لڑکی مر گئی تو خوجے نے لڑکے سے کہا کہ وہ اپنے گاؤں چلا جائے اور زبان بند رکھے۔

چھوٹے بھائی نے کہا کہ وہ لڑکی کا زیور اتار لے۔ یہ بھی سودے میں شامل تھا لیکن خوجے نے نہیں اتارا۔

''کیوں نہیں اتارا؟''...... میں نے خوجے سے پوچھا۔

''میرا دل نہیں مانا''......اس نے جواب دیا...... ''میں جیتے جاگتے آدمی کو روک کر اس سے مال نکلوایا کرتا ہوں۔ کسی زندہ عورت کا بھی زیور کبھی نہیں اتارا۔ یہ تو مری ہوئی عورت تھی...... آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں للکار کر واردات کیا کرتا ہوں۔ اس وقت تک آٹھ دس غریب لڑکیوں کو زیور پہنا کر ان کی شادیاں کر چکا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ علاقے کا کوئی آدمی میرے خلاف مخبری نہیں کرتا''۔

اگر میں ہر ایک بات اور ہر ایک تفصیل لکھنے لگوں تو یہ کہانی ڈیڑھ سو صفحوں تک

پہنچ جائے۔ میں نے قاتل آپ کے سامنے لاکھڑا کر دیا ہے۔ خوجے کے بعد میں نے دونوں بھاؤں کو باری باری بلایا۔ انہوں نے اقبال جرم کرنے کے لیے مجھے کچھ پریشان کیا لیکن وہ جرائم پیشہ نہیں تھے۔ میری باتوں میں آ گئے اور انہوں نے الگ الگ اقبالی بیان دے دیا۔ بڑا بھائی غصے میں تھا کہتا تھا کہ وہ لڑکی کو قتل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں ان دونوں بھائیوں کے اس کردار سے متاثر تھا کہ انہوں نے لڑکی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔

یہ مقدمہ پیچیدہ تھا اور بہت پھیلا ہوا بھی۔ شہادت کم تھی۔ موقعہ کا کوئی گواہ نہ تھا۔ میں نے مظہر کو بھی گرفتار کر لیا۔ شیدی کے نوکر کو ڈنڈے مار کر اسے پھینک جانے پر اس کے خلاف زیر دفعہ ۳۰۷ مقدمہ تیار کیا۔ اس میں مشکل یہ تھی کہ مضروب سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے یادداشت کھو بیٹھا تھا۔ کورٹ کے حکم پر اسے دلی بھیجا گیا۔ رپورٹ آئی کہ چوٹ نے اسے اس حالت میں پہنچا دیا ہے۔ اس ڈاکٹر نے کورٹ میں آ کر یہی رپورٹ پیش کی تھی۔

یہ میرا سب سے مشکل مقدمہ تھا۔ بڑی محنت سے مجھے شہادت کے خالی خانے پر کرنے پڑے۔ اس پیڈنگ میں شیدی کے باپ اور بھائی نے میری بہت مدد کی۔

خوجا سیشن کورٹ میں اپنے اقبالی بیان سے منحرف ہو گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اس کا میں نے بڑا ہی پکا انتظام کر رکھا تھا۔ اس کا پچھلا ریکارڈ ہی اس کے خلاف کافی تھا۔

خوجے اور منگیتر کے چھوٹے بھائی کو عمر قید بڑے بھائی کو سات سال اور مظہر کو تین سال سزائے قید دی گئی۔ ہائی کورٹ نے سب کی اپیلیں مسترد کر دیں۔

اس کیس میں ایک سے بڑھ کر ایک دردناک واقعہ تھا۔ لیکن ایک منظر نے مجھے بہت متاثر کیا۔ کسی سیشن کورٹ میں تھا۔ میں باہر کھڑا تھا۔ شیدی کا نوکر برآمدے کے باہر زمین پر حیران بیٹھا ہوا تھا اور کتا اس کے ساتھ لگ کر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے

دیکھا کہ شیدی کا باپ کچھ دور کھڑا اپنے نوکر کو دیکھ رہا تھا اور اسکے آنسو بہہ رہے تھے
۔اس نے مجھے دیکھا تو میرے پاس آ گیا۔

''**ملک** صاحب!''......اس نے نوکر کی طرف اشارہ کرکے کہا......''اس جیسا وفادار نوکر کہیں مل سکتا ہے؟ میں اسے اس گاؤں سے لے آیا تھا اور اپنے پاس رکھ لیا ہے''۔

مجھے معلوم نہیں کہ اس نوکر کی یادداشت واپس آئی یا نہیں۔

☆☆☆

---------اختتام---------